جملہ حقوق محفوظ

جلد (۱) فروری سنہ ۱۹۰۶ء نمبر (۵)

ایڈیٹر
شیخ عبدالقادر بی۔ اے

مخزن

اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

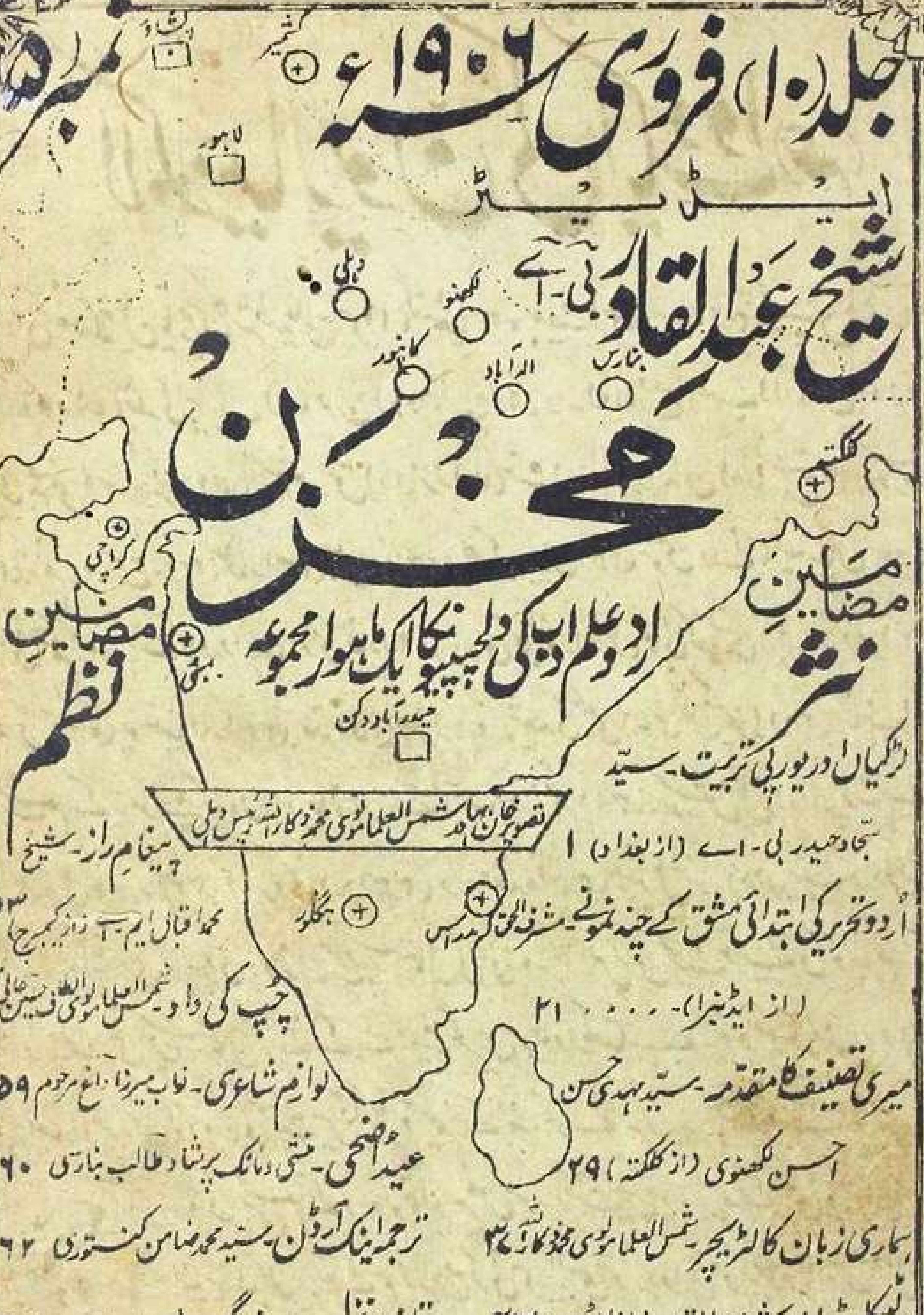

مضامینِ نثر

لڑکیاں اور یورپی تربیت۔ سید سجاد حیدر بی۔ اے (از بغداد) ۱
اُردو تحریر کی ابتدائی مشق کے چند نمونے۔ شرف الحق (از ایڈنبرا)۔ ۔ ۔ ۔ ۲۱
میری تصنیف کا مقدمہ۔ سید مہدی حسن احسن لکھنوی (از کلکتہ) ۲۹
ہماری زبان کا لٹریچر۔ شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ ۳۷
پولیٹیکل ڈراما۔ شیخ عبدالقادر (از لنڈن) ۴۳

مضامینِ نظم

پیغامِ راز۔ شیخ محمد اقبال ایم۔ اے (از کیمبرج) ۵۳
چپ کی داد۔ شمس العلما مولوی الطاف حسین حالی ۵۴
لوازمِ شاعری۔ نواب میرزا داغ مرحوم ۵۹
عیدِ اضحیٰ۔ منشی دوارکا پرشاد طالب بنارسی ۶۰
ترجمہ اینک آرڈن۔ سید محمد ضامن کنتوری ۶۲
تازہ غزل۔ میر نیرنگ بی۔ اے۔ ۶۴

نو کروڑ ہندوستانی اُردو بولتے ہیں۔ اور اسی قدر اور ہندوستانی اُردو سمجھتے ہیں۔

○ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ☐ ان شہروں میں اُردو رائج ہے ⊕ ان شہروں میں اُردو سمجھی جاتی ہے۔

شیخ محمد اکرام اسسٹنٹ ایڈیٹر نے اپنے مخزن پریس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک قسم اول ۔ فی پرچہ ۔ قسم دوم ۔ فی پرچہ ۳ ۔

لاکھ بیماریوں کی ایک دوا (عہ)

یہ دوائی مفصلہ ذیل بیماریوں کا شرطیہ علاج ہے (۱) گنٹھیا (۲) ہیضہ (۳) دست (۴) پیچش (۵) کھانسی (۶) زکام (۷) جگر کی بیماریاں (۸) قولنج (بادسول) (۹) دمہ (۱۰) وجع العصب (۱۱) شرخ باد (۱۲) بدہضمی (۱۳) سردی (۱۴) سوزش حلق (۱۵) نزلہ (۱۶) خسرہ (۱۷) درد دندان (۱۸) تشنج (۱۹) درد سر (۲۰) زخم (۲۱) موچ (۲۲) بخار (۲۳) جل جانا (۲۴) گلے کی بیماری (۲۵) موسمی دانے یا پھنسیاں (۲۶) گرانی شکم (۲۷) گوشت کا درد (۲۸) موسمی بخار (۲۹) باری کا بخار (۳۰) کالی کھانسی (۳۱) درد کمر (۳۲) نقرس (۳۳) چوتھیہ بخار (۳۴) بچھو (۳۵) بھڑ (۳۶) شہد کی مکھی (۳۷) کن کھجورا (۳۸) سانپ اور ہر قسم کے زہریلے کیڑوں اور جانوروں کے ڈنگ اور زخم (۳۹) سوزش دل (۴۰) چوٹ پھیٹ (۴۱) پسلی کا درد (۴۲) اندرونی درد (۴۳) درد معدہ (۴۴) ببیرل نیو (۴۵) پیٹ درد وغیرہ۔

یہ اندرونی اور بیرونی دونوں طرح پر استعمال کی جاتی ہے۔ جو شخص اس عجیب و غریب دوائی کو ہر قسم کے درد یا بیماری میں استعمال کرنے کے لئے ہمیشہ گھر میں موجود رکھتا ہے۔ وہ سینکڑوں روپے بچا لیتا ہے جو اس کو دوسری حالت میں ڈاکٹر و حکیم کے نذر کرنے پڑیں۔ **قیمت** (عہ)

یہ دوائی ہر قسم کے درد کو خواہ سر میں ہو۔ دانت میں ہو۔ یا جسم کے کسی اور حصہ میں ہو۔ صرف بیرونی طور پر لگانے سے فوراً رفع کرتی ہے۔ یہ ایسی موثر دوائی ہے کہ جو درد اس دوائی کے لگانے سے رفع نہ ہوگا۔ اس درد کو دنیا کی کوئی دوائی بیرونی طور پر لگانے سے اچھا نہ کریگی۔ درد خواہ کتنی مدت کا کیوں نہ ہو۔ اچھا ہو جائیگا۔ قیمت (عہ)

المشتہر مدن گوپال کمپنی - لاہور

جلد ۱۰ - نمبر ۵

مخزن

لڑکیاں اور یورپی تربیت

دو لڑکیوں میں خط و کتابت

حیدرآباد - دکن - ۲۴ ستمبر ۱۹۲۵ء

میری پیاری سلما جانی - جو باتیں ہیں کسی سے کہہ نہیں سکتی وہ تمہیں لکھنا چاہتی ہوں - ہائے وہ مدرسے کے دن - کہ جب مجھے کوئی تکلیف ہوئی یا مرضی کے خلاف کوئی بات ہوئی اور میں تمہارے کمرے میں پہنچی - اگر تم کسی کام میں مشغول بھی ہوئیں تو بے تحاشا تم سے لپٹ کے - گلے میں بانہیں ڈال کر - تمہارا منہہ چوم کے اپنی طرف متوجہ کرلیا اور اپنا دردِ دل تمہیں کہہ سُنایا اور دل کی بھڑاس نکال لی - حیدرآباد! آہ کتنی دُور ہوں - پھر اللہ رکھے تم میاں رکھتی ہو - بال بچے رکھتی ہو - گھر کے کام دھندوں میں مشغول ہو - دیکھوں تمہیں اس خط کے پڑھنے کا وقت بھی ملتا ہے یا نہیں -

مجھے یہ خط "میں خیریت سے ہوں اور تمہاری خیر و عافیت کی خواہاں" سے شروع کرنا چاہیے تھا - مگر طبیعت یکسو ہوتی تو کرتی - تمہاری طرح تھوڑی ہوں - تمہاری زندگی میں نہ کوئی شے زیادہ نہ کوئی شے کم - جو تم چاہتی تھیں وہ سب موجود ہے - مجھے دیکھو؟ مجھ پہ کیا بپتا پڑی! پوچھو تو سُناؤں اور دل نہ پھرے - نہ پوچھو پھر بھی میں سناؤں گی -

مَیں نے تمہیں نہیں لکھا۔ تین مہینے ہوئے ہیں دُلہن ہوگئی۔ وہ عذرا جسے تم ہمیشہ "دیوانی لڑکی" کہا کرتی تھیں اب "عقل والی عورت" ہے۔ مُصیبتوں نے سنجیدگی سکھادی۔

ابھی آدہ گھنٹہ ہوا۔ ایک دیو گھر سے باہر گیا ہے اور میں نے ایسا سانس لیا ہے گویا بڑے ضیق سے نجات پائی۔ میرے ہولِ دل کو تھوڑا سا آرام ہوا تو مَیں نے یہ خط لکھنا شروع کیا۔ اِن تین مہینوں میں ہر روز تمہیں خط لکھنے کا ارادہ کرتی تھی۔ مگر پریشانیوں سے جو سستی۔ اور خوف سے جو عطالت بدن میں پیدا ہوجاتی ہے اُس نے اس ارادے کو پُورا نہ ہونے دیا۔ صبح نہیں ہوتی۔ کہ شام ہوجاتی ہے۔ صُبح کھانے کے وقت ہم اپنے کمرے سے نکلتے ہیں۔ اور اُس وقت میرا پیارا دیو بچہ دیو جُثہ۔ اپنی ٹوپی عجب لا اُبالی ڈھنگ سے آدھے سر پر رکھکر۔ کوٹ عجب بے پروائی سے پہنکر باہر جاتا ہے۔ میری جان میں جان آتی ہے کہ اتنے میں عورتیں مُلاقات کے لئے آجاتی ہیں۔ اُن سے سر کھپاتی ہوں۔ تیسرے پہر کو میں کپڑے بدل کے تازی ہوا کھانے کے لئے اپنے ایک قفس سے نکل کر۔ دُوسرے قفس میں بیٹھ کر جسکی جھلملیاں بند ہوتی ہیں، باغ عامہ کا نظارہ کرتی ہوں۔ شام ہوتے ہی گھر پہنچتی ہوں لیکن وہ مجھ سے پہلے وہاں موجود ہوتا ہے۔ رات کو گھر میں سنّاٹا ہوجاتا ہے۔ اور اُس خوفناک قوی ہیکل بُت سے میری نفرت اور بڑھ جاتی ہے۔

یہ شادی! کس طرح ہوئی۔ اس کی تاریخ مَیں تمہیں نہ لکھوں گی۔ کیا فائدہ۔ صرف اِن تین مہینوں کی زندگی کی تصویریں ایک ایک کرکے پیش کرتی ہوں۔ اِنہیں دیکھو۔ اور۔ میری سلما! مجھ پر دل دکھاؤ۔

وہ لڑکپن کی اُمیدیں ایک لال کی ہلکی پرواز کی طرح غائب ہوگئیں۔ اُڑ گئیں۔ ایک چھوٹی چڑیا کی طرح اُن کا خُون ہوگیا۔ بیاہ کے بعد تیسرا یا چوتھا دن تھا۔ میں پیانو

کے پاس بیٹھی تھی۔ وہ مجھ سے ذرا دور آرام کرسی پر ڈھیر ہو رہے تھے۔ میں یونہی بیٹھی بیٹھی پیانو کو بجا نہیں رہی تھی۔ بلکہ کھیل رہی تھی کہ میرے کانوں میں وہ بھاری اور کرخت آواز آئی۔

"ہم سنتے ہیں آپ بہت اچھے گانے گاتی ہیں۔ اگر دو ایک آپ ہم کو سنائینگا۔ تو بڑی مہربانگی ہونگی"۔

میں رکی۔ اور استعجاب آمیز سوال کی نظر سے انکی طرف دیکھنے لگی۔ معلوم نہیں کہ اس نظر کے انہوں نے کیا معنے لئے کہ کہنے لگے:-

"کوئی راگنی۔ کوئی ٹپہ۔ کوئی غزل ہمارے واسطے ہونا۔ ہم یہ نہیں کہتا کہ کیا سناؤ۔ آپ کو جو پسند ہو وہ سناؤ۔ ......"

میں مبہوت نظر سے دیکھ رہی تھی اور اس تقریر کو سن رہی تھی۔ وہ پھر فرمانے لگے:-

"اچھا اور کچھ نہیں تو یہ غزل تو سناؤ۔ دونوں ہاتھوں میں مہندی لگالے پری۔ لگا لیپری۔ ہاں لگا آے پری"۔

میں کیا جواب دیتی۔ حیران تھی۔ وہ مسلسل گانے کے لئے چیزیں پیش کرتے جاتے تھے

"اچھا صاحب۔ غزل نہیں تو کوئی ناٹک کی چیز:- "

دیتا ہوں تجھ کو تخت سلیمان کی قسم۔ (اور اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر پورے جوش اور نہایت محبت اور حرص بھری نظر سے مجھے دیکھ کر) مل مجھ سے اے پری تجھے انسان کی قسم"۔

مجھے چپ لگی ہوئی تھی۔ آخر کار وہ اٹھا اور پیانو کے قریب آکر فرمانے لگے:-

"صاحب۔ کیا غضب ہے۔ میں اس قدر التماس کیا ہوں۔ آپ قبول نہیں کرتے ہو۔ مہربانگی کرکے ہمارے لال یا امانت کی کوئی چیز آپ سنا دینگے تو کیا ہوگا"۔

میں نے بہت چاہا کہ ان کا خیال کسی اور طرف ہٹ جائے۔ لیکن میں دیکھتی تھی کہ

انکا اصرار بڑھتا ہی جاتا ہے - آخر مَیں نے مجبور ہو کر کہا -

"مداری لال - اور امانت کون ہیں - مَیں نے تو کبھی انکا نام بھی نہیں سُنا"

یہ مَیں نے سچائی سے جواب دے دیا تھا - تم ہی بتاؤ تم نے بھی کبھی انکا نام سُنا ہے - ہم نے تو نہ مدرسے میں - نہ گھر میں - نہ کسی کتاب میں یہ نام دیکھے - مگر انہوں نے اسے بناوٹ سمجھا اور فرمانے لگے :-

"ایں ! آپ نہیں جانتے پر میں تو جانتا ہُوں نہ ہندوستان کیا - دکن کیا ہر جگہ انکا نام مشہور ہے" - اور تھوڑی سے سکوت کے بعد - ایک پُر نزاکت مگر معنے دار تبسم کے ساتھ فرمایا :-

خفا نہ ہو صاحب ! جو گانے آپ کو پسند ہوں وُہی ہم کو سُناؤ - البتہ وہ اچھی ہونگی پیاری سلما !

پیاری بہن ! تم ہی خیال کر سکتی ہو کہ مَیں کس مصیبت میں تھی - میرا چہرہ کچھ شرم - کچھ غصہ سے تمتما اُٹھا - اور قریب تھا کہ مَیں بیہوش ہو جاؤں - مگر ضبط کیا اور طبیعت کو تھاما -

آہ مس ہیری - آیئے اور اپنی چہیتی شاگرد کو دیکھئے کہ پیانو کے سامنے عاجز صُمٌّ بُکمٌ بیٹھی ہے - وُہ انگلیاں جنہیں آپ پیانو بجاتی ہوئی دیکھ کر تعجب کیا کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں کہ خدا نے انہیں محض موسیقی کے لئے پیدا کیا ہے - آیئے اور ان انگلیوں کی ذلت کو دیکھئے - سات برس متواتر اسی دن کا خیال کر کے - اسی دن کے لئے تیاری کی تاہم ان تمام کوششوں کا نتیجہ دیکھئے - مداری لال اور امانت آتے ہیں اور آپکی تعلیمات سب بیکار رہ جاتی ہیں ! کیا یہ ہونا تھا - کیا اس لئے میں نے اتنی محنت اُٹھائی تھی - اگر یہ تمام تعلیم بے سود تھی - یعنی اگر مینڈلسون[1] اور ویگنر[2] مداری لال کے حضور میں سر جھکا کر بھاگ جانے والے تھے - تو یہ تعلیم ہی کیوں دی گئی تھی - میری سلما بتاؤ - آخر کیا فائدہ - بتاؤ میں اپنے امانت کے شیدا خاوند سے کیا کہوں - کیا عذر کروں -

[1] [2] یہ یورپ کے مشہور موسیقی داں ہیں

ہاں - میرا خاوند مجھ سے "دونوں ہاتھوں میں مہندی لگالے پری"۔ یا "ٹل مجھ سے اے پری تجھے انسان کی قسم" کا طالب ہے - میں کیا جواب دوں؟ میں ان چیزوں سے واقف نہیں"۔ "مجھے ہندی گانے نہیں سکھائے گئے" "میں نے سات آٹھ برس انگریزی گانے سیکھے ہیں"۔ یہی جواب تھے جو میں دے سکتی تھی اور یہی دیئے۔

اس پر انہوں نے نہایت اخلاق اور نرمی سے کہا۔ "بہتر! انگریزی گانے ہی سنائیے میرے کو وہ بھی پسند ہوتے ہیں"۔

میں اتنی دیر تک انکار کرنے سے شرما رہی تھی - میں نے سوچا کہ جو کچھ میں جانتی ہوں انہیں سنانا چاہیے اس لئے میں نے پوچھا "کونسا گانا گاؤں"۔

"صاحب جو آپ کی خوشی ہو گاؤ - میں کیا کہوں"۔

اسی جواب سے میرا دل بیٹھ گیا۔ مگر میں نے پھر ہمت کر کے کہا - میں "Bulbul and the rose"[1] سناتی ہوں۔

یہ کہ کے میں نے پیانو کے نوٹ پر نظر گاڑ کر - بجانا شروع کیا۔

پیانو سے ایک دردانگیز فریاد (یاد ہے - یہ مس میری کے الفاظ ہیں - وہ اس راگ کے بجانے کے وقت کہا کرتی تھیں کہ پیانو سے plaintive cry[2] نکلتی ہی) نکلنا شروع ہوئی اور میں اس میں محو ہو گئی - غیاث الدین (میرے خاوند نواب غیاث الدولہ - غیاث الملک کا یہ نام ہے - معاف کرنا بھول گئی - میں اب انٹروڈیوس[3] کرتی ہوں) کچھ دیر تک پیانو کے قریب آکر کھڑے رہے - پھر آنکھیں اس طرح کھول دیں - گویا پیانو کے شور سے گھبرا رہے ہیں - لیکن سننے کی وضع قائم رکھی - دو ایک منٹ سنا بھی - آخر اس حالت میں نہ رہا گیا - بیٹھے اُٹھے - پھر بیٹھے - پھر اُٹھے - ایک سگرٹ جلایا پھر آہستہ آہستہ کمرے میں ٹہلنا شروع کیا میں نے جب یہ دیکھا تو راگ کے پہلے ٹکڑے کو تو خواہ نخواہ پورا کیا - اور آخری الفاظ کے لیے پردوں پر نہایت زور سے انگلی مار کر ختم کیا - ختم ہوتے ہی فرمایا - ماشاء اللہ بہت خوب - لیکن اب

[1] ایک انگریزی گانا ۱۲ [2] معروف انگریزی لفظ بہ معنے تقریب ملاقات ۱۲

سونا چاہیئے"۔ کیا دلشکن داد ہے۔ اے بیداد! وہ یہ داد دیکر کپڑے بدلنے کے لئے چلے گئے اور وہاں سے بلّی کی خرخر کی طرح یہ آواز آنے لگی ؎

مَیں قربان زلفوں کے لٹکانیوالے　　　مرے دل کو گلیوں میں پھٹکانیوالے

اور میری نظروں میں یہ تصویر پھر گئی۔ کہ مس میری اور ویگنر کو مداری لال نے کیچڑ میں پھینکدیا ہے اور خود خشکی پر کھڑا ہؤا زور زور سے قہقہہ لگا رہا ہے۔

سلما جانی! ذرا خیال کرنے کا مقام ہے۔ مَیں کہ دیوانہ وار ہوس کے ساتھ موسیقی کی عاشق ہوں۔ اور سات آٹھ برس سے اُسے سیکھ رہی ہوں۔ ہندوستانی راگ کتنے جانتی ہوں؟ مولانا حالی کا :-

"اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے"۔　　　اور غلام احمد خاں احمدی کا :-

"اے ہمتِ مردانہ! جگر میں تری جا ہے　　　مت آنکھ چُرا مجھ سے اگر شرطِ وفا ہے"
"تُو ہو مرے ہمراہ تو پروا مجھے کیا ہے　　　سایہ ترے شہپر کا۔ از بالِ ہُما ہے"

یا آزاد یا مولانا اسمٰعیل میرٹھی کی اور ایک آدھ نظم۔ جسے مس میری نے بدقت تمام اجازت دی تھی کہ ہم لوگ یاد کریں۔ اور پیانو یا ہارمونیم پر بجائیں۔ کیونکہ وہ کہا کرتی تھیں کہ ہندوستانی راگ یاد کرنے سے تمہارا انگریزی مذاق بگڑ جائیگا۔

وُہ ہیں کہ رات دن ہندی راگوں میں محو ہیں۔ اب بنے تو کیسے بنے۔ لُطف تو جب آتا ہے۔ جب مَیں اتفاقاً خیال میں مستغرق ہو کر اولڈ لینگ سائین[1] (Old Lang Syne) گانے لگتی ہوں۔ تو وہ فوراً کوئی گیت شروع کر دیتے ہیں۔ جس میں ہجر۔ وفا۔ وصل۔ زخم۔ تیر۔ یا سانولیا۔ رسیا۔ جوبن۔ سیان۔ پیان وغیرہ لفظوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ نہ وُہ میری کہی کو سنتے ہیں۔ نہ مَیں اُن کی کہی کو سمجھتی ہوں۔ کمرہ منارۂ بابل ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت میں اگر کہیں دُردانہ خانم (یہ ایک ایرانی ماما ہے۔ جسے والد ماجد کربلا معلّٰی کی زیارت سے واپسی کے وقت اپنے ساتھ لائے

[1] ایک مشہور نظم گانے کے الفاظ ۱۲

تھے۔ اور جس نے مجھے پالا ہے) کمرے میں آگئی اور اُس نے مجھ سے فارسی میں باتیں کرنی شروع کردیں۔ تو غیاث کا چہرہ پرغضب ہو جاتا ہے۔ آنکھیں انگارا ہو جاتی ہیں۔ ایک دن تو برس پڑے۔ میں لکھنے کی میز پہ بیٹھی تھی۔ پیاس معلوم ہوئی تو میں نے دُردانہ خانم کو آواز دی۔ اُس نے سُنا نہیں۔ مجھے غصّہ آگیا۔ تو میں پوری آواز سے چلائی۔

"چار یک ساعت است متصل صدا میکنم۔ کسے ملتفت نمے شود۔ پنبہ در گوش کرند" مگر وُہ نہ معلوم کب کے بھرے بیٹھے تھے۔ کہ دُوسرے کمرے سے برس پڑے۔ کہنے لگے:۔ یا اللہ ہمارے کو سمجھ میں نہیں آتا۔ اپن طہران میں ہیں کہ لنڈن میں ہیں۔ اتنا ہم کو سمجھ میں آتا ہے کہ ہندوستان میں نہیں ہوں"۔

میں چُپ ہو گئی۔ اور سخت نادم ہوئی۔ مگر میرا کیا قصور تھا۔ خیر مگر آئندہ سے میں اُن کے سامنے دُردانہ خانم سے کبھی کسی کام کو نہ کہتی تھی۔

ایک دن خود لہر میں جو آئے تو دُردانہ خانم سے فارسی میں گفتگو فرمانے لگے۔ مگر فارسی کے گلے پر وُہ کُند چھُری پھیری کہ مجھ سے دیکھا نہ گیا۔ اور میں اُٹھ کے دُوسرے کمرے میں چلی گئی۔

. . . .

سلمیٰ! سلمیٰ! آ میرے حالِ زار کو دیکھ! کھانے کے بعد متواتر زور سے ڈکار لینے والے آدمی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہوں۔ کل خیال جو آیا تو دن بھر رویا کی پیٹ پر ہاتھ پھیر کر "عا۔ عا" اونٹ کی طرح ڈکار لینا! اُف۔ غضب۔ غضب۔ یہ میں سوائے تمہارے کسی کو نہیں لکھ سکتی۔ اور اگر تم نے کوئی تدبیر نہ بتائی۔ تو تمہاری عذرا گھُل گھُل کے مر جائیگی۔ . . . .

ایک دن نہ معلوم کس طرح ادبیات کا ذکر آگیا۔ پُوچھنے لگے۔ تمہارے کو اُردو کا کونسا شاعر اچھا معلوم ہوتا ہے؟ یہ ایسا بیڈھب سوال تھا کہ میں بہت گھبرائی۔ صاف یوں ہے

کہ مَیں نے اُردو کی ادبیات سے بہت ہی کم فائدہ اُٹھایا ہے۔ مَیں تو یہی سُنا کرتی تھی کہ اُردو کی ادبیات بہت خراب ہیں۔ اخلاق بگاڑتی ہیں۔ مدرسے میں سوائے مولانا حالی کے (کہ انکا بھی کلام نہایت مختصر اور منتخب پڑھایا جاتا تھا) اور کسی شاعر کا نام سُنا نہیں۔ بس مَیں نے بغیر اس خیال کے کہ دُوسرے شاعروں سے مقابلہ کیا نہیں۔ یہ کہدیا۔

"مولانا حالی کو"

"حالی کو پسند کرنے کی وجہ؟"

!!

؟؟

!!

سمجھیں؟ یعنی وُہ ہمہ تن سوال تھے۔ اور مَیں ہمہ تن استعجاب۔ اور اس طرح ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

میرے پاس کیا جواب تھا۔ کہ مَیں دیتی۔

آخر کہنے لگے۔ "مَیں حالی کو تو کچھ بھی نہیں پسند کرتا۔ ہم قافیہ نثر لکھتے ہیں۔ میرے کو "پیام یار" میں غزلیں لکھنے والے سب پسند ہیں۔ اور داغ کے کلام کا تو کیا کہنا۔ واہ واہ سب سے اچھا ہے۔ کیا ہجر۔ کیا وصل کی تصویریں ہیں۔ کیا معاملہ ہے۔ کیا چوچلا۔ آغا شاعر بھی بہت اچھا ہے"

پھر کہنے لگے۔ "یہ کیا بات ہے تم مدرسے میں پڑھی ہو۔ لیکن داغ کو نہیں جانتیں"

اس پر مجھے بھی غصّہ آگیا اور مَیں نے جواب دیا۔ "بیشک! لیکن آپ بھی تو شکسپیر اور ملٹن سے واقف نہیں"

اُنہوں نے تڑپ کے جواب دیا "مَیں انگریز ہوتا تو بیشک واقف ہوتا" بس اس پر ہم دونوں چُپ ہو گئے۔ میرے ہونٹوں کو داغ نے سی دیا۔ اُنکے ہونٹوں پر ملٹن نے مہر سکوت لگادی

غرض یُوں بسر ہوتی ہے۔ میں تو سمجھتی ہُوں کہ کسی غیر ملک کے باشندے کے ساتھ میری شادی ہوئی ہے۔ وُہ سمجھتے ہیں کہ انہیں ہندوستانی بی بی نہیں ملی۔

....

ابا جان کی بے پروائی سے تم واقف نہیں۔ عجب بے پروا آدمی ہیں۔ امّاں جانی نمایش پرست۔ دولت پرست ہیں۔ میں یہاں کیوں بیاہی گئی؟ اِس سوال کے جواب کی غالباً اب ضرورت نہ رہی ہوگی۔

اس شادی پر جب کبھی غور کرتی ہُوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ میں کنوئیں میں دھکیل دی گئی۔ اور ماں نے مجھے کنوئیں میں دھکیلا۔ پہلے یہ ارادہ کر لیا کہ مجھے کنوئیں میں دھکیلینگی اور پھر پہلا موقع جو انہیں ہاتھ آیا اُسے نہ جانے دیا اور میری پیٹھ پر ایسے زور سے دھکا مارا کہ میں سر کے بل اندر گر پڑی۔ زندگی کچھ نہیں؟ ہاں بیشک۔ مگر زندگی سب کچھ ہے؟ اس کے لیے بھی ہاں بیشک۔ بات یہ ہے کہ میں اب عقل ہی نہیں رکھتی کہ کسی چیز میں ٹھیک محاکمہ کر سکوں۔

کیا عجب بات ہے۔ میری سلما! کیا عجیب بات ہے کہ جس شخص کی قابلیت۔ حالت تربیت ایسی ہو کہ یہ کہا جا سکے کہ یہ دُنیا میں ضرور خوش قسمت اور خوشحال رہیگا۔ وُہی بدبخت ناکام۔ ناشاد رہتا ہے۔ اور آخر عُمر میں اس نتیجہ کو پہنچتا ہے کہ دُنیا میں خوبی۔ امّید و سعادت نہیں ہے۔ برخلاف اس کے۔ وُہ جو ہر طرح سے ناقص ہے۔ ناکارہ ہے۔ بے علم ہے وُہ خوش قسمت رہتا ہے۔ اپنی زندگی میں کامران۔ شادمان۔ اور ہر طرح کی خوبی اس کے لیے دوڑی ہُوئی آتی ہے۔ مثلاً میں خُدا کے فضل سے اچھے گھر میں پیدا ہُوئی۔ اچھی طرح پلی۔ تعلیم پائی: بیاہی گئی تو سب کہتے تھے کہ کیا قسمت ہے۔ واہ! ایسا بڑا گھرانا۔ ایسی بڑی ثروت۔ ایسی بڑی دولت۔ یہ لڑکی بہت خوش رہیگی"۔ لیکن مجھے اسی حسرت میں رہی ہوں کہ کاش غیاث نے میری طرح اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کی ہوتی۔ لیکن وُہ ہیں کہ شام کو نوکروں پر گالیوں کی بوچھاڑ۔ ناٹک کے گانوں کے عاشق زار۔ گھوڑ دوڑ کے۔ اور

اُس میں جوا کھیلنے کے دلدادہ - یہ حالت دیکھ کر تمام اُمیدوں کا خون ہو جاتا ہے -

مَیں خوش قسمت ہوں یا بد قسمت ؟ تمہیں ان تین مہینے کے واقعات جو مَیں نے تمہیں لکھے ہیں پڑھ کر مجھے بتاؤ - اور یہ بھی بتاؤ کہ میں کیا کروں - کس راستے پر چلوں - اُسے اپنے راستے پر لاؤں - یا اس دیو پر اپنی جان ضائع کر دوں -

بعض لحاظ سے دیکھا جائے تو میرا خاوند بُرا نہیں - نہایت امیر ہے - اور چونکہ اس کے والد کا اِنتقال ہو چکا ہے - اِس لئے کل دولت کا خود ہی مالک ہے - حیدرآباد کے مدرسے میں کچھ دن گذارے ہیں - اِس لئے پڑھ لکھ بھی سکتا ہے - اس کی شکل کی کیفیت شاید میں اوپر لکھ چکی ہوں - ویسے بھی تم نے اس خط سے اس کی تصویر ذہن میں کھینچ لی ہوگی - سراپا صحت ہے - اس قدر قوی کہ پہلوان معلوم ہوتا ہے - آواز بھاری گویا ہاتھی پانی پی رہا ہے - بال موٹے موٹے - بڑی بڑی مونچھیں - چوڑی چوڑی بھویں باہر کو نکلی ہوئی بڑی بڑی آنکھیں سیاہ اور چمکیلی اور خوفناک - اِس کے جسم و طبیعت کی تمام ہیبت ماوی ان آنکھوں میں آکر جمع ہو گئی ہے - دِن کو جب وہ باہر چلا جاتا ہے تو بھی میں ڈر ڈر کے نفرت کر کر کے ان آنکھوں کا خیال کیا کرتی ہوں جو مجھے گھورتی ہوئی نظر آتی ہیں - کیونکہ عنایت مجھے بے انتہا بیتابی کے ساتھ چاہتا ہے - اور اس محبت سے مجھے اور وحشت ہوتی ہے - تم جانتی ہو کہ مجھے انسان کے کل اعضا میں آنکھیں بہت پسند ہیں - خدا نے اچھی آنکھیں کچھ عجب شئے بنائی ہیں - لیکن اسکو دیکھئے کہ آنکھیں ہی مجھے نفرت اور خوف دلا رہی ہیں -

یہ آنکھیں - یہ ڈکار - یہ آواز - یہ دونوں ہاتھوں میں مہندی لگائے پری کا عشق کچھ نہیں سوجھتا کہ کہاں پناہ لوں -

اب ان کی طبیعت کا حال سُنیئے - نچلا خاموش کبھی بیٹھا ہی نہیں جاتا - ہر بات میں دخل در معقولات کا بے انتہا شوق ہے - یا ابر کی طرح گھر پر چھایا ہوا معلوم ہوتا ہے

بے انتہا باتونی - مگر شاید میں دسویں حصے کو بھی کان دھر کر نہیں سُنتی - کیا مادام الحیات یُوں ہی زندگی گذریگی ؟ میں اس بوجھ کو یُوں ہی اُٹھاؤں گی - میں ایسے خاوند کی تمنا نہ رکھتی تھی - ایسا خاوند نہ چاہتی تھی - مگر انسان جو نہیں چاہتا وہی اُسے ملتا ہے -

ممکن ہے کہ میرا جسم اس کے جسم سے نفرت نہ کرے - مگر میں تمہیں یقین دلاتی ہوں - کہ میری رُوح - میری طبیعت - اُسکی رُوح اُسکی طبیعت - سے ہمیشہ ہمیشہ اور پُوری پُوری نفرت کریگی - باقی تم سے ملنے اور تمہیں ہزار بار چُومنے اور زبانی دردِ دل سُنانے کی تمنا ۔

تمہاری

عذرا

(جواب)

راولپنڈی - ۳ - اکتوبر ۱۹۲۵ء -

میری شیریں عذرا - تم نے اپنے خط میں عقل والی عورت بننے کی کوشش تو بہت کی - لیکن ہر سطر سے صاف ٹپکتا ہے - کہ تم وُہی شریر عذرا ہو -

سب سے اول شادی کی دلی مبارکباد دیتی ہُوں - یقین مانو - میں اپنی عمر کے چند برس اس بات پر فدا کرنے کو تیار ہُوں - کہ تمہارے سُرخ رُخساروں کو جن پر تمہارے سیاہ بال آپڑے ہوں دیکھوں - اُن رخساروں کو نہیں جو مدرسے میں تھے - بلکہ اُن رخساروں کو جنہیں ہوائے تاہل نے اور دمکا دیا ہوگا - آہ پیاری عذرا - تمہیں چُومنے - دیوانہ وار چُومنے کی اور تم سے چُومے جانے کی تمنا رکھتی ہوں - لو میں نے کاغذ پر اس جگہ ( ) کو چوما ہے - اور میں خیال کرتی ہوں کہ میری رُوحِ محبت کا ایک ٹکڑا - اس جگہ چپک کے رہ گیا ہوگا - اس مقام کو تم بھی چُومنا - تاکہ اسی طرح سے میرے ہونٹ تمہارے ہونٹوں سے ایک جگہ ملیں - اور میری رُوح کو مسرت پہنچے -

تم نے اپنے خط میں کیا کیا کہہ ڈالا ہے۔ تمہارے خیالات نے (معاف کرنا بعض ان میں سے پراگندہ ہیں) تو مجھے حیرت میں ڈالدیا۔ تم نے خذف اور الماس کو خوب ملایا ہے۔

تمہارا خط پڑھتے وقت میں کس قدر ہنسی ہوں۔ میری شوخ۔ شاطر عذرا اسی پھڑک۔ اسی بھڑک۔ اسی چنچل پن سے میری آنکھوں میں پھر گئی۔ وہی عذرا۔ جو اپنی شرارتوں۔ اور ہٹوں سے کبھی مجھے غصہ دلا دیا کرتی تھی۔ اور کبھی بے تحاشا ہنسا دیا کرتی تھی۔

لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میں صرف ہنسی ہی ہنسی۔ یا میں تمہارے خط کو لا اُبالی تحریر سمجھی نہیں مجھے اس خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تم نے حقیقت میں اپنا دردِ دل لکھا ہے۔ اور اس لئے میں نے تمہاری تحریر پر جدّاً نظر ڈالی اور کئی دن تک اسی کے متعلق سوچتی رہی۔ تمہاری اور اپنی حالت کا موازنہ کرتی رہی۔ میری اور تمہاری تربیت میں بہت ہی کم فرق ہے۔ ہم دونوں نے ایک ہی مدرسہ میں تعلیم پائی۔ لیکن ہاں چونکہ میرے والد خود شاعر اور اُردو کے بڑے حامی اور دلدادہ تھے۔ اس لئے کچھ اُن کی کوشش سے کچھ اپنے شوق سے۔ مجھے اُردو میں تم سے زیادہ معروفیت رہی اور یہی وجہ ہے کہ میں انگریزی تو تمہارے برابر نہیں جانتی۔ مگر اُردو ضرور تم سے زیادہ جانتی ہوں۔ بولنے میں نہیں۔ کیونکہ تمہاری رواں اور پیاری زبان اور وہ بھی دِلّی کی کہاں سے لاؤں۔ ہاں لکھنے میں۔ کیونکہ والد کے مضامین۔ اور اُن کے کتبخانے کی کتابیں اکثر پڑھتی رہی ہوں۔ اس لئے طبیعت تحریری اُردو سے آشنا ہو گئی۔ پیانو۔ موسیقی۔ نقاشی اس میں ہم دونوں برابر ہیں۔ پھر بیاہ کا زمانہ آیا۔ قسمت نے بیاہ کے قرعہ میں میرے نام کے ساتھ۔ ولایت کے پاس شدہ انجینئر مسٹر جلعد کا نام نکالدیا۔ تمہارے نام کے ساتھ نواب غیاث الدین کی چٹھی نکلی۔ اور ہمارے ماں باپوں نے ہمیں اپنی آغوش سے جدا کر کے ان لوگوں کے پہلو میں پھینکدیا۔

دِل چاہتا ہے کہ اس مسئلہ ازدواج پر کچھ تھوڑا سا وعظ کہوں - پہلے بیاہ شادیوں میں کیا دیکھا جاتا تھا - یہی ناکہ بر - ہم کُفو ہو یا نہیں - ایک برادری کا ہے یا نہیں - اس کُفو اور برادری پر سب چیزیں قربان کردی جاتی تھیں - پھر اصلاح ہوئی - کُفو کا خیال ترک کر دیا گیا - تعلیم کا زور ہوا - "بر - تعلیم یافتہ ہونا چاہیئے - تعلیم یافتہ ہونا چاہیئے" کا شور بلند ہوا - تھوڑے دِنوں کے بعد اخلاق کی بھی چھان بین ہونے لگی - بس یہاں پہنچ کے اِصلاح رخصت ہُوئی گویا اب کوئی کام باقی نہیں رہا - لیکن مجھ سے پوچھو تو کوئی کام ہوا ہی نہیں - اصلی اصلاح تو جب ہے - جب لڑکے لڑکی کے مزاج - اور طبیعت کی مناسبت کی پُوری پُوری چھان بین کیجائے - خاوند اور بی بی دوہرے کپڑے کی ابری استر ہیں - ابری - استر کے رنگ کی مناسبت کا کتنا خیال کیا جاتا ہے - "یہ نہیں کہ دونوں ایک ہی رنگ کے ہوتے ہوں - نہیں - یکرنگی میں کوئی زینت نہیں - خیال یہ کیا جاتا ہے کہ ایک رنگ دُوسرے سے جوڑ کھاتا ہو -

بس اسی طرح - لڑکے لڑکی کے مزاج کا خیال لازمی ہو - امتزاج کے اسباب موجود ہیں یا نہیں - طبیعتوں میں ایسا بیّن تضاد تو نہیں کہ میل کھانا مشکل ہو - میرے نزدیک تو سب سے زیادہ اہم یہ سوال ہیں - حُسن وجمال - مال دولت - تعلیم وتربیت - سب کو میں دوسرے درجہ پر رکھتی ہوں - -

شاید تمہاری طبیعت اس وعظ سے گھبراتی ہوگی - میں معافی چاہتی ہوں - میں اس بحث کو ترک کئے دیتی ہوں - مگر کیسے ترک کروں - آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں کہ تم جسے میں ہمیشہ کہا کرتی تھی کہ مزاج میں سنجیدگی نہیں - الہڑ ہے - اور میں جسے تم ہمیشہ خیال پرست sentimental شاعر مزاج کہا کرتی تھیں - ہم دونوں ایسے خاوندوں کے پالے پڑیں - کہ اگر ان لوگوں کے ساتھ شادی نہ ہوئی ہوتی - تو جیاہے یہ بھائی ہی ہوتے - ہم انکے پاس دس منٹ بیٹھنے سے گھبراتے اور شاید وہ لوگ

ہمارے لئے ایسا ہی خیال رکھتے ہونگے - یہ عدالت ہے؟ انصاف ہے؟ کہو "ہاں" سوائے ہاں کے اور کچھ کہنا منع ہے - لیکن اس تضاد کا سبب کون ہے - ان خرابیوں کا جوابدہ کسکو قرار دینا چاہیے - میں تو بلاپس و پیش کہتی ہوں ہمارے ماں باپوں کو -

اگرچہ خط لمبا کر کے تمہیں پریشان کرونگی - لیکن میں بھی تمہیں اپنی زندگی کا مرقع دکھاتی ہوں - مسٹر حامد کیسے آدمی ہیں؟ ان کے حسیات - اور خیالات کیا ہیں - افکار کیا ہیں؟ ان کے حسیات اور خیالات یہ ہیں - (۰ = ۰ × ۰) -

آہ! تم ایسا خاوند چاہتی تھیں - جو رات دن تمہارے ساتھ ہنسا کرے تمہارے کھیلوں میں شریک ہوا کرے - مجھے ایسے شوہر کی تمنا تھی - جو کسی باز کے پنجہ میں پھنسی ہوئی چڑیا یا کسی پژمردہ گل کو دیکھ کر میرے ساتھ روئے - میرے ساتھ بزم عالم خیال میں رہے -

حال یہ ہے کہ مسٹر حامد - جب رات کو گھر میں تشریف لاتے ہیں - تو اس خوف سے کہ کہیں انکی نیند نہ اڑ جائے - میری باتوں کا جواب بھی نہیں دیتے - اگر کسی دن تعطیل کے ایام میں گھر میں کچھ ٹھہرے بھی - اور میں نے ان کی خاطر کچھ بجانا شروع کیا - تو وہ فوراً آرام کرسی پر لیٹ کر سونا شروع کر دیتے ہیں - لو ان کے اوقات کا نقشہ تمہیں لکھتی ہوں

سونا	۹ گھنٹے
سرکاری کام	۷ گھنٹے
سیر و تفریح و ریاضت	۶ گھنٹے
گھر میں	۲ گھنٹے
میزان	۲۴

ذرا دیکھنا؟ ۲۴ گھنٹوں میں دو گھنٹے مجھے دیتے ہیں - کہ اس حساب سے سال میں میری ان کی ملاقات صرف دو مہینے ہوتی ہے - لیکن یاد رہے کہ ان دو گھنٹوں میں

گھر کے معاملات - بچوں کا دیکھنا بھی شامل ہے - غرضکہ مسٹر انجنیر نے یہ حساب پورا پورا بنا رکھا ہے - اور اس پر بہت باقاعدہ عمل ہوتا ہے -

عذرا - تمہیں بھی قسم ہے - اس تقسیمِ اوقات کے متعلق ذرا اپنی رائے دینا -

گھر کے تمام انتظامات اور معاملات میرے متعلق ہیں - خانہ داری کے متعلق وہ کسی چیز میں پھنسنا نہیں چاہتے - میں جو چاہوں کروں - مجھے پوری آزادی ہے - بچوں کو پالوں - یا مار ڈالوں - گھر تبدیل کر دوں - اسباب بیچ ڈالوں - اور خرید لوں - نوکروں کو مقرر کروں - برخاست کروں - غرضکہ جو چاہوں کروں - مختار ہوں -

وہ گھر کو ہوٹل سمجھتے ہیں - اور کھانے پینے اور سونے کے لیے یہاں آتے ہیں - ان تین باتوں کے انتظام میں وہ خلل نہیں چاہتے - اگر میں بیمار بھی پڑ جاؤں - تو ان کے مقررہ اوقات میں فرق نہیں پڑتا - خود طبیعت ناساز ہو تو ظاہر ہے کہ اس دستور العمل میں تبدیلی ہو جاتی ہے -

کم سخنی کا وہ عالم ہے کہ بات اُن کے دہانِ موزوں سے اول تو کم نکلتی ہے اور جب نکلتی ہے تو تُل تُل کے رتی رتی نکلتی ہے - میری تعلیم و تربیت معمولی تعلیم و تربیت نہ تھی - مدرسے کے علاوہ گھر پر بھی مجھ پر تربیت کی بوچھاڑ رہی - گورنس اور کیا - اور کیا - سب سے گھری رہی - پھر دلہن بنی - اور ایسے شخص کو سونپی گئی - جو بڑا تعلیم یافتہ - سات سمندر پار سے پڑھ کے آیا تھا - اور اللہ ! کن کن اُمیدوں کے ساتھ میں اپنے خاوند کے پاس گئی - پہنچی تو عالم کچھ اور ہی پایا ! کیا عالمِ امید اور عالمِ حقیقت - عالمِ خیالی اور عالمِ اصلی میں ہمیشہ اتنا فرق ہوتا ہے ؟

حامد نے - تمہارے خاوند کی طرح ہر دم میرے ساتھ رہنے سے مجھے پریشان نہیں کیا - بلکہ مجھے وہ آزادی دی - جس سے میرے حق میں بے پروائی کی بو نکلتی تھی -

تم جانتی ہو میں ایسی بدشکل تو نہیں - میری ملاقاتنیں اور آئینہ اس کی شہادت دیتے ہیں - جب یہ بات ہے تو کیوں میں اپنی تعلیم و تربیت و حسن کے شایان - باکمال عفت زندگی بسر نہ کروں - کیوں میری قسمت میں یہ بے پروائی لکھی ہوئی ہے ؟ اسے سوچتے سوچتے میں کبھی جھلا

اُٹھتی - اگر یہی بے پروائی ہے تو میں بھی - ناولوں کی سی زندگی شروع کیوں نہ کر دوں" - یہ شخص جو میری تحقیر کرتا ہے - اُس کا جواب تحقیر سے دوں" - میری معنویات - اور میری مادیات میرا بازو پکڑتے تھے - اور ایک اپنی طرف کھینچتی - اور دوسری اپنی طرف - آدھی رات تک اپنے خاوند کا انتظار کرتے ہوئے - اپنی لڑکی کو تھپکاتی ہوئی - اس کشمکش میں رہا کرتی تھی - میں سوچتی تھی - کہ میں اپنے خاوند کی اسیر - اُس کی باندی ہو سکتی ہوں - مگر اُس کی طرف سے باندی کرنے کی کوشش تو دیکھوں ؟ وہ کیا - فداکاری - محبت - مگر اس کا وہاں نام و نشان نہیں تھا - شاید میں نے پڑھا لکھا نہ ہوتا تو یہ خیالات میرے ذہن میں نہ آتے - شاید میری نظر سطحی ہوتی - اور اس لئے میں زیادہ متحمل - زیادہ صابر ہوتی - شاید میرے ذہن میں نہ آتا کہ حقارت کا مقابلہ حقارت سے کیا جا سکتا ہے - شاید میں یہی نہ سمجھتی کہ میری حقارت کی جا رہی ہے (مگر نہیں تعلیم پاتی تو اور بھی زیادہ وحشی ہوتی - سوچنے - موازنہ کرنے - اور طبیعت کو روکنے کا مادہ نہ ہوتا) -

ایک دن ایک عورت اپنا دکھڑا سنا رہی تھی - میں نے ہمدردی کے طریقہ سے کہا - صبر کرو - صبر - اچھی چیز ہے - وہ شکایت آمیز آواز سے کہنے لگی "بیشک - صبر - مگر صبر کے بعد قبر" - سوچتی ہوں تو اسے صحیح پاتی ہوں - انسان دو مرتبہ دنیا میں نہیں آتا - شباب عود نہیں کرتا - فرض کرو کہ یہ بے اعتنائی میری طرف سے ہوتی تو کیا انہیں شکایت کا موقعہ نہ ہوتا -

یہ باتیں تمہیں لکھ رہی تھی - کہ میری چھوٹی لڑکی جمیلہ - دوڑی دوڑی میرے پاس آئی اور اپنی پیاری پیاری - ننھی ننھی آواز سے کہنے لگی - "اماں جان! آج تم نے مجھے چوما نہیں" - اور یہ کہہ کے کرسی پر چڑھ کر میری گود میں آبیٹھی - اور اس نے تمام میرے دل کی جراحتوں پر مرہم کا کام دیا - عذرا - پیاری - خدا تمہیں بھی بال بچہ دے - اولاد بڑی نعمت ہے - ساری دنیا کے غم اُس کے سامنے بھاگ جاتے ہیں - اپنی بچیوں کو دیکھ کر یہ زندان مجھے بہشت معلوم ہوتا ہے - بلکہ میں اپنے تئیں ایک باغ تصور کرتی ہوں - جس میں یہ پھول کھل رہے ہیں - جوں جوں پھول کھلتے ہیں - باغ کی مسرت بڑھتی جاتی ہے -

پیاری عذرا - میں دیکھتی ہوں کہ علم میں میرا خاوند چاہے مجھ سے بڑھکر ہو جائے میرے برابر ہو - ایک بات میں تو میں قطعی طور پر اُس سے بڑھی ہوئی ہوں - اور وہ بات محبت اور شفقت ہے - میں اپنی بچیوں کو چُومتے وقت - اپنی محرومیت - اور اپنی بدنصیبی سب بھول جاتی ہوں - حامد میں شفقت - اور محبت کا نشان تک نہیں - اُس نے نہ اقلیدس میں اُسے پڑھا - نہ جبر مقابلہ میں اس لفظ کو دیکھا - آج میں ان لڑکیوں کو لیکر چلی جاؤں - تو اگر میری ضرورت اُسے نہ ہو تو کبھی بھول کر بھی لڑکیوں کا خیال نہ کرے - میں نے ابھی کہا تھا کہ یہ حسن شفقت میرے لئے اپنے خاوند پر تفوق کا باعث ہے - لیکن غور سے دیکھو تو یہی تفوق - میری اور کل عورتوں کی ذلت کا باعث ہوتا ہے -

حامد کو گھر میں اگر کسی چیز سے دلچسپی ہے تو اس سے کہ لڑکیوں کو نقشہ کشی سکھائے - کسی دن تعطیل کا پورا دن اس میں صرف ہو جاتا ہے - بڑی لڑکی سعیدہ ابھی سال بھر ہوا - علی گڈھ بھیجدی گئی - وہاں لوگوں نے اُس کی نقشہ کشی اور مصوری کی لیاقت دیکھ کر بہت تعجب کیا - کبھی دونوں لڑکیوں کو ساتھ لیجا کر (انہیں بائیسکل پر چڑھنا سکھاتے ہیں) -

(میں دعا کرتی ہوں ان دو لڑکیوں کی قسمت میری سی نہ ہو - یہ تصویر کھینچنے والی بائیسکل پر سوار ہونے والی لڑکیاں - ساکن و راکد اور ٹھوس طبیعت والے خاوندوں کے پالے نہ پڑیں) -

بارہ برس سے میں حامد کی بی بی ہوں - مجھے تو یاد نہیں پڑتا مکانوں کے نقشے یا کھیلنے کے تاش کے علاوہ کوئی کاغذ میں نے اُن کے ہاتھ میں دیکھا ہو - نقشے کھینچنا ایک - تاش کھیلنا - دو - یہ اُن کے شغل ہیں - کبھی کوئی بحث - کبھی کوئی بات جس سے دل میں حرکت - دماغ میں چمک پیدا ہو - میں نے اُن سے نہیں سُنی -

اُن سے ملنے دوست بھی آتے ہیں۔ تو چپکے چپکے تاش کھیل کے چلے جاتے ہیں۔ دُنیا میں انہیں کسی چیز کے متعلق جوش نہیں آتا۔ اِن دو مشغلوں کے علاوہ دُنیا کے کسی واقعہ کا اُن کے دماغ میں گذر نہیں ہوتا۔ ان کھیلوں۔ اِن شغلوں کو بھی مقررہ اوقات میں کرتے ہیں۔ غرضکہ اُن کا فلسفہ حیات دنیا میں نباتات کی طرح خاموش زندگی بسر کرنا ہے ہاں یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ زندہ ہیں۔ کبھی کبھی تاش کھیل لیتا ہے۔

وُہ دِن نہ بھولوں گی۔ کئی برس ہوئے۔ اس سکوتِ مطلق سے عاجز آ کر میں ایک دن اُن سے خوب لڑی۔ اِس طرح:-

"اِس ٹھیرے پانی جیسی زندگی سے تو میں اُکتا گئی۔ خُدا کے لئے کچھ حرکت کرو۔ کوئی بات کہو۔ اور نہ سہی مجھ سے لڑو۔ شور مچاؤ۔ مجھے معلوم تو ہو کہ تمہاری رگوں میں خُون دوڑتا ہے۔ اور میں ایک مرد کی رفیقہ ہوں۔ جاؤ کسی بیگانی عورت سے محبت کرو۔ تا کہ اس حالت کو دیکھوں۔ اور اسی طرح اس یکرنگ۔ یک آہنگ زندگی میں کچھ فرق آئے۔ ورنہ یہ مکان قبرستان سے بدتر ہو رہا ہے۔ یہ موت جیسی زندگی کب تک رہیگی۔ اچھا۔ یہ نہیں تو آؤ۔ مجھے مارو۔ میرے بال نوچو۔ آؤ۔ کچھ تو کرو۔ میں کیا کیا باتیں تمہیں سُنا رہی ہوں۔ سُنتے ہو۔ سمجھتے ہو کہ نہیں"!!

میں اس چیخنے چِلانے سے تھک کر چپ ہو رہی۔ مگر انکی طرف سے کوئی جواب نہ تھا۔ نہ استہزا۔ نہ غصّہ۔ نہ حِدت۔ کہا تو یہ کہا (وُہ بھی نہایت آہستہ سے) "ذرا میرا کوٹ لا دیجئے۔ جمیل کے ہاں جانا ہے۔ اُن سے آج تاش کھیلنے کا وعدہ کیا تھا"۔ یہ کہہ کے باہر چلے گئے۔ میں کرسی پر گر پڑی اور بڑی دیر تک روتی رہی۔

ساتھ ہی اس کے یہ خیال رہے۔ وُہ میری کسی طرح کھُلی کھُلی تحقیر۔ تذلیل کبھی نہیں کرتے۔ کبھی "تم" کا لفظ میں نے اُن کی زبان سے نہیں سُنا۔ ہمیشہ "آپ" کا استعمال کرتے ہیں۔ نہایت عزت اور احترام کا برتاؤ کرتے ہیں۔

لیکن یہ احترام کچھ مخصوص احترام نہیں طبیعت کی اُفتاد ہی طرح ہوئی ہے۔ گویا ایک کل کا آدمی ہے۔ جسے اسی طرح کی کوک ملی ہے۔ اور اُس کوک کے مطابق چل رہا ہے۔ باہر والے یہی سمجھیں گے کہ ہماری زندگی بڑی اچھی۔ اور قابل رشک زندگی ہے۔ لیکن اگر اس پوشیدہ حقیقت کو دیکھیں تو ......

پیاری عذرا۔ تم نے اپنے خاوند کے حال میں لکھا ہے۔ خاموش نہیں بیٹھا جاتا۔ ہر بات میں دخل دیتا ہے۔ حرص بھری نظروں سے مجھے دیکھتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں اس کے جواب میں تمہیں دلی مبارکباد دیتی ہوں۔ اُس کی لالچی نظریں۔ غرورِ نسوانی کے لئے غذا ہیں۔ میں تم سے کہتی ہوں۔ خوشی خوشی زندگی بسر کرو۔ تمہاری۔ اور تمہارے خاوند کی تربیت میں اختلاف ہے۔ مزاج میں بھی تھوڑا سا اختلاف ہے۔ مگر نہ اتنا کہ کوشش کر کے ایک دوسرے کے موافق نہ ہو جائے۔ پس اس کے ساتھ ہنسی خوشی بسر کرو۔ تمہارے خاوند کی ایک زندگی تو ہے۔ کچھ پرواہ نہیں۔ اگر وہ شور مچاتا ہے۔ ڈکار لیتا ہے۔ ناٹک کے گانے گاتا ہے۔ یہ باتیں اس قدر تحمل فرسا نہیں۔ جیسی میری گھر کی بے حرکت۔ بے آل زندگی۔ میں ان احترامات کی کیسی برداشت کروں۔ تمہیں یاد ہوگا شادی سے پہلے میں کہا کرتی تھی کہ میں اپنے خاوند پر حکم کیا کرونگی۔ اُس کی آمر مجبر ہونگی۔ لیکن اب تو میرے تمام خیالات بدل گئے۔ میں چاہتی ہوں۔ کہ وہ میرا احترام کرے نہ کرے۔ لیکن مجھ سے اپنا احترام کرائے۔ اور دل میں ایسا گھر کرلے۔ کہ چاہے مجھے اذیتیں دے لیکن میں اُس کی مطلوب مشتاق رہوں۔ ان اذیتوں سے لذت اُٹھاؤں۔

اُف اِسفنان۔ بے صدا جینا کچھ جینا نہیں۔ اُردو کا شیکسپیئر۔ غالب۔ کیا صحیح کہہ گیا ہے:۔ سہ

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی +

سکون کی خواہش ہو تو اس کے لئے قبر موجود ہے۔ مرنے سے کوئی روکتا نہیں۔ یہ سمجھ لو۔ کہ فکر کی لذت نہ خیال کی لذت۔ شور و شغب کی لذت سے بڑھکر ہے مگر نہ حِس نہ حرکت۔ نہ عالمِ خیال میں میرے ساتھ شرکت۔ نہ عالمِ وجود میں میرے ساتھ شرکت! اِس کو زندگی کہتی ہو؟

باقی تمہاری پیاری آنکھوں۔ تمہارے سیاہ بالوں۔ تمہارے سُرخ۔ گلگوں رخساروں سے۔ اِشتیاق اور حسرت کے ساتھ لاکھوں کروڑوں بوسے لینے کی آرزو

تمہاری مفتون سلما

سجّاد حیدر (از بغداد)

جناب خان بہادر شمس العلما مولوی محمد ذکاءاللہ صاحب کے ہم بیحد مرہونِ منت ہیں کہ اُنہوں نے نہ صرف اپنے معلومات سے بھرے ہُوئے مضامین سے اس رسالے کو مستفید فرمایا۔ بلکہ ہماری درخواست پر ہمیں اپنی تصویر بھی عنایت کی۔ جس کی نقل اس پرچے کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ کار آمد اور مفید مضامین کی بہت سی کتابوں کے ترجمے انگریزی سے اُردو میں صاحب موصوف کی توجہ سے ہُوئے۔ اور ان تراجم میں سے کئی کُتب مدارس میں شامل ہیں۔ اس کے سوا آپکی تالیفات اور تصنیفات کی تعداد کثیر ہے جنمیں تاریخ ہند اور حیات وکٹوریہ جیسی ضخیم کتب خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کی تالیفات کے اوراق کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے اور اب اسی شغل میں مصروف ہیں۔ خدا کرے آپکا فیض جاری رہے +

اُردو تحریر کی ابتدائی مشق کے چند نمونے

شیخ عبد القادر جب ایڈنبرا کی سیر کو آئے تو راقم کو بھی اُن سے ملنے کی مسرّت حاصل ہوئی۔ ان صاحب سے ہندوستانی دُنیا اس طرح واقف ہے کہ اس موقع پر مجھے انکی محبت جو اُنہیں اُردو یا انڈیا کی عام بولی سے ہے۔ جتانے کی مطلق ضرورت نہیں۔ سب انکی فرمایش کو پورا کرنے کے خیال سے۔ اور ایسا کون ہوسکتا ہے جس سے انکی فرمایش نہ ہوئی ہو۔ ذیل کی چند سطریں لکھیں۔ جن میں میری اپنی اُردو کو غنیمت ہی۔ خام ہجار؟ کا دخل ہے۔

یہاں ایڈنبرا یونیورسٹی کے شاندار کتب خانے میں سات سو سے اوپر عربی اور فارسی علوم کی کتابیں فراہم ہیں۔ جن میں چند اُردو تصانیف بھی شامل ہیں۔ انکی آمد جونکہ ۱۷۶۴ء سے بھی پہلے سے شروع ہوئی (اور اب تک جاری ہے) ضرور تھا قلمی نسخے بھی ان میں موجود ہوں۔ بجز چند طلائی خوشرنگ باتصویر فرمانوں اور کتابوں کے جو شیشے کے صندوقوں میں بند۔ ع (دیکھتا جا مرے مرقد سے گذرنے والے) کسی امریکن یا یوروپین سیاح کی نظرِ حیرت کو چند لمحوں کے لئے اپنی طرف مائل کرلیتی ہیں باقی جیسی آہنی الماریوں میں بند ہوگئیں۔ کُتب خانے کے ملازم تو معذور تھے۔ لیکن جن غیر لوگوں کو انکا پتہ ملا اُن میں سے چند نے انکو ترتیب دینے اُنکا حال لکھنے کا گراں مگر دلچسپ بار اپنے ذمے لیا۔ اس آخری زمرہ میں ایک پردیسی ہندوستانی کا نام بھی داخل ہے اور وُہ نام راقم کا ہے۔ واضح رہے کسی اَور نام کے اضافہ کی گنجایش اب نہیں رہی۔ شروع شروع میں جن صاحب نے فہرست لکھنے کی تکلیف اُٹھائی اور

پانچ سو میں سے چار سو قلمی نسخے انکی طبعِ رسا کے خاموش گواہ ہیں۔ اُسکا نمونہ قابلِ غور ہے۔ اِس لئے ایک یہاں بھی ترجمہ کیا جاتا ہے :-

"تفسیرِ خاقانی۔ کتاب پُرانی مگر غریب۔ قیمت کچھ زیادہ نہیں۔ تاریخی علم کی تصنیف۔ محمد اور مُسلمانوں کے ولیوں کے حالات پر۔ مُصنّف اپنے آپ کو لکھتا ہے حقیر فقیر اور نفرت کے قابل۔ اور اخیر میں لکھتا ہے تَم تَم تَم یعنی کتاب ختم ہوئی ختم ہوئی ختم ہوئی"

یہ تو جانتے تھے امام خاقانی کے قصاید دقیق بلکہ اُن کے سمجھنے کے لئے کسی تفسیر کا پڑھنا مناسب۔ لیکن یہ بات اب کھُلی کہ تفسیر قصاید سے بھی زیادہ مطلب خیز ہو سکتی ہے۔ مثال لکھنے کو تو میں لکھ گیا لیکن جس طرح استثنا سے کوئی احکام قایم نہیں ہو سکتا عام رواج کا جتا دینا ضرور ہے۔ اور وہ یہ کہ برطانیہ اعظم تو کیا مہذب یورپ کے کل نامی گرامی شہروں میں مشرقی علوم و فنون کے اکثر ایسے شوقین ملینگے جنھوں نے اپنی عزیز عمروں کے تیس تیس تیس برس برٹش میوزیم۔ بوڈلین۔ پیرس (یا بقولِ شیخ عبدالقادر "پری") سینٹ پیٹرسبرگ یا انکی شان کے اور کتب خانوں میں متواتر بسر کئے ہوں۔ سبب یہ ہے اُنکے مذاق کے موافق مصالح اکٹّھا ہے۔

ہر کجا چشمہ بود شیریں مردم و مُرغ و مور گرد آیند

انکی سے اعلیٰ معلموں کے فیضانِ صحبت اور ہر فن کے نفیس سے نفیس نسخوں کی تلاوت سے مُوثر ہونے کی اُنکو مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ ایک ہندوستانی کو آج جسقدر عمدہ موقعہ ذرا سے وسیلہ سے نیم جان عربی اور فارسی اور مُردہ سنسکرت کی نایاب کتابوں کی چھان بین کا یورپ میں میسّر آسکتا ہے اور کہیں تو ناممکن ہے۔ مجھے ایک قسم کا اچنبھا ہوتا تھا۔ جب میں کچھ عرصہ ہوا۔ برٹش میوزیم کے عظیم الشان کُتب خانے کے علوم مشرقی کے حصّہ میں اپنے سامنے دائیں اور بائیں چند

سفید کھال بھورے بال۔ سیاہ پوش صاحبوں کو سیدھی طرف سے لکھی جانے والی زبانوں کے بعض بوسیدہ نسخوں کو بہت غور اور احتیاط سے دیکھ بھال کرتے دیکھتا تھا۔ ساتھ ہی ایک گندمی رنگ اور سیاہ سر نوجوان کا بیرونی سبز سپاٹے کو چھوڑ کر عالم سکوت میں گھنٹوں بیٹھے رہنا انکو بھی تھوڑی دیر کے لئے متحیر کرتا ہوگا۔ یورپ کے کتب خانے جس شان کے لئے شہرہ آفاق ہیں اُس کے پیدا کرنے میں صدیاں لگی ہیں۔ آب و تاب کی لکھو کھا جلدیں جن سے وہ پٹے پڑے ہیں۔ صرف چند بار کی خرید سے پیدا ہو نہیں گئیں۔ بلکہ زیادہ تر مال وصول ہوا نذرانوں کی بدولت جو ان کے مربی اپنی حمایت سے بغیر کسی طلب کے وقتاً فوقتاً زندگی میں خود پیش کرتے گئے اور مرے بھی تو بہت کچھ چھوڑ گئے۔ ہندوستان کی قومیں بھی جنکی سخاوت ہمیشہ ضرب المثل رہی۔ یوروپین کی طرح دولتمند اور روشن خیال ہوتیں تو یقین تھا کہ آج علی گڈھ اور بنارس میں مشرقی علوم کا ایسا ذخیرہ اکٹھا ہوتا کہ تیس کروڑ رعایا میں تیس لاکھ جلدیں تو ٹوٹی جا سکتیں۔ اُردو زبان کو علم سے آراستہ کرنے کے لئے عربی فارسی اور سنسکرت کے علمی دریا کو گھنگولنا اور دُرِ نایاب کی طرح الفاظ کو چُن کر اُنکو اُردو کی زینت کی لڑی میں پرونا کس قدر ضروری ہے۔ مَیں نے سُنا تھا شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد خاں ال ال ڈی نے "گلسنز ہیونز" ایک نجوم کی کتاب کے انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرنے میں کثرت سے عربی لُغت کا استعمال کیا۔ کیونکہ اُردو میں نجوم کے سوا اور بہت سے علوم بالکل معدوم ہیں۔ اُردو جو اس وقت ہندوستان کی عام بولی ہونے کا فخر رکھتی ہو۔ اُردو جو انگریزی کے ہم پہلو برٹش مقبوضات میں پھیلتی چلی جاتی ہے۔ اُردو جو ہندوستان کی سب سے زیادہ شُستہ زبان ہے۔ اُس کا حق سارے خیر خواہان قوم پر ہے۔ اِس زبان کو دُنیا کی اعلیٰ زبانوں کے مرتبہ کو پہنچانے کے لئے ہمیں مغربی علوم شریک کرتے وقت اُن قدیم ذرایع کو ہاتھ سے نہ کھو دینا چاہئیے جن سے وہ پیدا ہوئی۔ پس تمامی علم کے بھوکوں کو عموماً اور اُردو کے ہی خواہوں کو

خصوصاً یہ تمام ذرائع علیگڈھ اور بنارس کے صدر قومی کُتب خانوں سے بہم پہنچ سکیں۔

مجھے خوف ہے میری تمہید بہت بڑھ گئی۔ انگلستان کے نامی۔ کیا اسلامی اور کیا ہندوانی علوم کی کتابوں کے مجموعوں کا مختصر حال میرا اپنا لکھا ہوا عرصہ ہوا علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے کالموں میں چھپ چکا ہے۔ اور موجودہ مضمون کی غایت یہی ہے کہ ایڈنبرا کے مجموعہ کی چند پُرانی اردو تصانیف میں سے کچھ نقل کر کے پیش کروں۔ سارے مجموعہ کی مُنقح فہرست مرتب کرتے میں میرا ایک سال بسر ہوا۔ اب وہ یونیورسٹی لائبریری کے خرچ سے زیر طبع ہے اور شیخ عبدلقادر اور چند روز ہوئے عبد اللہ المامون سہروردی جو برطانیہ کے طلبا میں عربی استعداد میں پیش پیش ہیں میری مجوزہ فہرست کے چند ورق کے مطالعہ اور بعض بے نظیر قلمی کتابوں کا معائنہ بھی کر گئے ہیں۔

(۱) پہلی کتاب جس کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کیجاتی ہے "مراثی ہاشم علی" ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ کل ورق ۳۴ ۷ اور ۹ بر ۴½ انچ ہیں۔ اچھے نسخ تعلیق خط میں ۱۱۹۳ھ مطابق ۱۷۷۹ء میں نقل کی گئی۔ ہاشم علی کا حال ہندوستان کے شعرا کے تذکروں میں ضرور لکھا ہوگا۔ مجھے یہاں اسی قدر معلوم ہو سکا کہ یہ اُن شعرا میں سے ہے جس نے اُس زمانے کے رواج کے موافق فارسی میں نظم لکھی اور اچھی لکھی۔ اس کے سوا جس خصوصیت سے اس کا نام اب تک مشہور رہا اور کبھی بھی اس کو فراموش نہ ہونے دیگا۔ وہ اُس کی اردو نظم تھی۔ کیونکہ ولی اور حاتم سے بھی پہلے اُردو میں نظم لکھنے کی رسم سب سے اوّل اسی نے ڈالی۔ ہاشم نور الدین جہانگیر کے عہد حکومت میں بُرہان پور میں رہتا تھا اور ایک تاریخ ۱۰۴۶ھ ہجری مطابق ۱۶۳۶ء عیسوی جو اس قلمی نسخہ کے پینتیسویں ورق پر سُرخ روشنائی سے کسی کرامت کے متعلق جو ہاشم کو محسوس ہوئی تھی لکھی ہوئی ہے۔ اُس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اس شاعر کی اردو میں طبع آزمائی کا یہی زمانہ تھا۔ پہلا بند جو اس کتاب میں لکھا ہوا ہے یہ ہے:-

کوئی نہ تھا بیگانہ از ہند و خطا
ظلم تھا سب خویش ہر سب اقوام کا

ختم ہے یو امتحان دیو بلا
ختم ہے جون حق ستین پیغام کا

تھا بر اولاد شفیع المذنبین
ظلم بیحد در جہان اقسام کا

زخم لاگا مرتضیٰ کے سر اوپر
گر پڑا چون آفتاب اس بام کا

فاطمہ کے درد دل کا کریان
مین لکھون نہین مصلحت اتمام کا

زہر دے مارے حسن کون مکر سین
سبز تھا وُہ چہرۂ گل فام کا

کربلا مین تھے حسین ابن علی
آرزو مین نیر کے یک جام کا

ماتم آل نبی ہاشم علی
آج لگ ہے ایکا اوسی ایام کا

ہماری کتاب کی دُوسری جلد میں چند بند نہایت خوشخط ایک اور قدیم شاعر کے بھی لکھے ہُوئے ہیں۔ جس کے متعلق صرف اسی قدر معلوم ہو سکا کہ اُس کا تخلّص "کاظم" تھا۔ اس کا بھی ایک بند یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

ای نابکاران دین کا چھتر گرانا کہان روا
سرور نبی کے آل کون یو دوکہ مین لیانا کہان روا

رکھنا امام دین کے تئین جنگل منی بے آب و نان
طفلان کون اون کے بیگنہ غم مین ولانا کہان روا

خورشید برج دین کون دنیا منی کرنا شہید
روز قیامت مین سیہ روی لیجانا کہان روا

جن کو بٹھاتے تھے نبی دوش مبارک پر مدام
نیزہ پر اون کے سر کے تئین رکھ کر پھرانا کہان روا

وُہ اصغر معصوم کون سرور حسین کے ہاتھ پر
پیکان کے آب زہر سون شربت پلانا کہان روا

(۲) دوسرا دیوان وَلی کا ہے۔ بہت بوسیدہ مگر خوشخط لکھا ہوا۔ اس شاعر سے تو سارے اُردو دان واقف ہیں۔ ولی گجرات کا رہنے والا تھا لیکن اس کی زندگی کا بڑا حصہ دکن میں گذرا۔ عالمگیر اوّل کے زمانہ میں زندہ تھا۔ اس کا دیوان جو اُردو کا سب سے پہلا دیوان تھا دہلی آیا تو آناً فاناً گلی کوچوں میں اس کے اشعار گائے جانے لگے۔

شیخ ظہیر الدین حاتم نے جو ۱۱۱۱ھ ہجری مطابق ۱۶۹۹ء عیسوی دہلی میں پیدا ہوا۔

ولی کی ریس میں سب سے اوّل اُردو میں نظم لکھنے کی وہاں ابتدا کی۔ پھر تو ناجی مضمون اور آبرو نے بھی تقلید کی اور اس طرح اُردو شاعری کا عام چرچا ہو گیا۔ موجودہ دیوان میں غزلیات ترجیع بند مخمسات اور رباعیات قلم بند ہیں۔ پہلا شعر یہ ہے :-

کیتا ہوں تیری شکر کون عنوان بیان کا
کیتا ہوں تیری نانو کون میں ورد زبان کا

ولی نے چند ریختہ اشعار ایک اور بیاض میں بھی لکھے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلی غزل اس میں سے یہاں نقل کی جاتی ہے :-

جس وقت ای سریجن توں بی حجاب ہوئیگا
ہر ذرہ تجھ جھلک سوں چوں آفتاب ہوئیگا

مت جا چمن میں لالن بلبل پہ مت ستم کر
گرمی سوں تجھ نگہ کی گلگل گلاب ہوئیگا

مت آئینہ کون دکھلا اپنا جمال روشن
تجھ مکھ کی آب دیکھی آئینہ آب ہوئیگا

نکلیگا وہ ستمگر تیغ ادا کون لے کر
سینے کا عاشقاں کے اب فتحیاب ہوئیگا

رکھتا ہے کیون جفا کون مجھ پر روا ای ظالم
محشر میں تجھ سوں میرا آخر حساب ہوئیگا

مجھکون ہوا ہے معلوم ای مست جام خوبی
تیری انکھیاں کی دیکھی عالم خراب ہوئیگا

ہاتف نے یون دیا ہے مجھکون ولی بشارت
اُس کی گلی میں جا تون مطلب شتاب ہوئیگا

(۳) میر جعفر زٹلی نارنول کا ایک سید تھا۔ مرزا بیدل دہلوی کا ہم عصر۔ اُس نے اعظم شاہ پسر اورنگ زیب کے عہد میں ایک شاہ نامہ ریختہ میں لکھا تھا۔ سنہ ۱۱۲۵ ہجری مطابق سنہ ۱۷۱۳ء میں اس نے فرخ سیر کی تخت نشینی پر تمسخرانہ نظم لکھی جس کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔ ع اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی۔

غزل میں اُستاد تھا۔ اُس کا مرثیہ عالمگیر کی وفات پر اس وقت میری نگہ کے سامنے ہے جس کے آخر کے چند ملوان جلوان شعر اسی سلسلہ میں لکھے ہوئے یہاں نقل کئے جاتے ہیں :-

عسل تلخی پزیرفت از فراقش
نمک ترشی گرفت از فراقش

کہاں اب پائی ایسا شاہنشاہ
مکمل اکمل و کامل دل آگاہ

رکت کی انجہوان جگ پر وتا ہے | نہ میٹھی نیند کوئی سوتا ہے
فلک رقاص بازی آنچنان کرد | زہر کس از خلل نقل مکان کرد
صدای توپ و بندوق است ہر سو | بسر اسباب و صندوق است ہر سو
دوا دو ہر طرف بھاجر پڑی ہے | جدھر دیکھوں ادھر چاچر پڑی ہے
کٹا کوٹ و لٹا لوٹ است ہر جا | چھٹا چھوٹ و پھٹا پھوٹ است ہر جا
بہر سو مار مارو دھار دھار است | اوچھل چپال و تبر خنجر کٹار است
ازان سو اعظم و زین سو معظم | بھرا بھر دھر دھرا دھر ہر دو باہم
ببینم تا خدا از کیست راضی | بخواند خطبہ بر نام کہ قاضی
بیا جعفر زبان را مختصر کن | ز دور مختلف در دل حذر کن

(۴) انوار سہیلی کا اردو ترجمہ بھی قابل دید ہے۔ جس کا مترجم منشی محمد ابراہیم ابن ملک حسین جان ابن شیخ محمد بیجاپوری ہے۔ اس شخص کی اردو تحریر سارے دکن میں مقبول تھی:۔

کوا بولیا بول گئے ہیں زیرباد کے ملک کے ہاتھیوں کے جنگل میں ایک برس تھیوں نہیں پڑیا ہور بادل سوں ایک بوند نہیں ٹپکا۔ ایسا دکال پڑگیا کہ گنٹے باوڑیاں سب سوکھ گئے۔ ہاتیاں پیاس سوں لاچار ہو کر اپنے بادشاہ کے پاس قریب فریاد گئے بادشاہ بولدیا کہ پانی کے خاطر چوطرف دوڑو ہور بہت ڈھونڈھو۔ ہاتیاں اوس ملک اور کس جو رس میں ڈھونڈ ڈھنڈول کر ایک گنٹا نکالے کہ اوس کا ناؤں چندر گڈھا تھا اور بہت ڈونگا ہور اوس میں لئی پانی تھا۔ بادشاہ اپنا لشکر لے کر اوس میں پانی پینے گیا۔ اوس کے آس پاس بہوت تھوڑے خرگوشاں بستے تھے۔ ہاتیاں کے کدھن سوں وہ بہت ستائے جاتے تھے جس کے سر پہ پاؤں رکھتا انے ہو ہیچ فورا مرجاتا۔ فرد

ھلّو چلاتوں گھوڑے کورن میں اکہ ہوتے ہیں   سیسان ہزار گھوڑے کے سموں میں پائمال

(۵) بنگال میں میر آمن لطف دہلوی نے اٹھارویں صدی عیسوی کے شروع میں اوّل اوّل اُردو میں چند فارسی کتابوں کے ترجمے کئے اور وہاں اردو کے رواج کا اسی کو موجد سمجھنا چاہئے۔ باغ و بہار ترجمہ چار درویش وغیرہ کی اُردو آج کے محاورے سے بیشک خالی ہے پھر بھی زیادہ اجنبی نہیں۔ اس لئے ذیل کی چند سطریں میر آمن کے کسی مقلد کی سمجھنی مناسب ہیں:۔

دو کبوتر ایک گھونسلہ کہ تلہ رہتے تہہ اور آپس کہ بیچ رنج و راحت کہ شریک تہہ غیر کہ غبار سون انہون کہ خاطر کہ دامن پر گرد ایک اور زمان کی محنت ستی انہوں کہ دلوں موں درد ایک نہیں تھی اور دانہ اور پانی مون قناعت کر کہ گوشہ نشین درویشوں کہ مانند توکل کرتہ تہہ۔ الخ

(۶) یہ نمونہ طول کے خیال سے آخری ہے۔ جس کتاب میں سے نقل کیا اُس کا کاتب اور مترجم ایک بنگلوری ہے:۔

"دو عورتاں ایک بچے کے واسطے لڑتے تھے۔ ہور شاہد دونو نہیں رکھتے تھے۔ اور دونو عورتاں لڑتے ہوئے قاضی کے پاس گئے۔ ہور انصاف چاہے۔ قاضی جلاد کو بلایا حکم کیا اس بچے کو دو ٹکڑے کر کر اس دونوں عورتوں کو دے۔ ایک عورت یہ بات سُن کرکے خاموش رہی پر دوسری گریہ ہور واویلا کرکے پوکاری جو واسطے خدا کے بچے کو دو ٹکڑے مت کر۔ گر ایسا ہی انصاف ہے۔ بچے کو چھیتی نہیں۔ قاضی تب یقین سمجھا جو ماں بچے کی یہی ہے۔ بچا اسی عورت کو دیا ہور دوسری عورت کو لدی مار کرکے چلا دیا"۔

مشرف الحق (ازاٹمبرا)

میری تصنیف کا مقدمہ

سرِ خدا کہ عارفِ سالک بکس نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

اہلِ قلم ہوں یا اہلِ سیف۔ جب انکی آنکھیں بند ہوگئیں اور موت کے فرشتہ نے اُنکے قوا بیکار کر دیئے تو افرادِ انسانی میں بہت ایسے خدا کے بندے پیدا ہو گئے جنہوں نے اُن کے کارہائے نمایاں کو ضائع نہ جانے دیا اور اپنے پرہنر ہاتھوں کو اُن کے کمالوں کی اشاعت میں مصروف کر دیا تاکہ پیچھے آنے والی نسلوں میں مرے ہوئے بزرگانِ قوم کی حیرت انگیز ترقیاں پوشیدہ نہ رہیں۔

یہ طریقہ مغربی تعلیم یافتوں میں عموماً اور ایشیائی اہلِ قلم میں خصوصاً پایا جاتا ہے اور اس بنیاد پر یورپ کے کاملوں کی فہرست ایشیائی اہلِ کمال سے زیادہ لمبی چوڑی نظر آتی ہے۔ مغرب میں کسی کامل الفن کی سوانح عمری لکھنے کا طریقہ موجودہ قوم کی ترقی کا سبب سمجھا جاتا ہے اور ایشیائی شاعر اپنے ہمعصر اہلِ کمال کی موت پر فقط اوپرے افسوس کرنے کے بعد بالکل خاموش ہو جاتے ہیں۔

جس طرح دریا کی پے درپے آنیوالی موجیں ایک دوسرے کا نشان مٹاتی چلی جاتی ہیں اُسی طرح انقلابِ زمانہ مشاہیرِ عالم کا نام ونشاں مٹا رہا ہے۔ ہمارے ملک کی کم ہمتی اور کوتاہ قلمی کے سبب سے کسی کامل کی تاریخ مکمل دستیاب نہیں ہوسکتی جو متوفی کی حالت پر پوری روشنی ڈال سکے۔ بزرگانِ قوم اور ماہرانِ علوم وفنون کے فنا ہو جانے پر موجودہ نسل اُن کے بقائے دوام کا سلسلہ توڑ دیتی ہے۔ اُس لگاؤ میں جبکہ مرجانے والے کے غمِ فراق کا اثر تمام اندرونی قوتوں کو جنبش دے رہا ہو۔ قومی ہمدردی کے جذبات کامل سے کام لیا جائے تو تاریخ کے صفحاتِ زرّین پر مشاہیرِ ہند کے

نام نامی آفتاب محشر کی طرح جگمگاتے نظر آئیں اور وہ حیرت انگیز ترقیاں جو بقائے عناصر تک محدود رہی ہیں کاغذی دنیا کی آبادی میں تا ابد الآباد محفوظ رہ سکتی ہیں۔ اہل قلم کی کوشش سے واقعات ماضیہ کی تجدید کچھ دشوار بات نہیں۔ حادثات اور سوانح کی یادگار قائم رکھنا اک ایسا ضروری حملہ خیال کیا گیا ہے کہ جب فن کتابت مروج نہ تھا تو سنگین اور قابل قدر واقعات دماغ میں محفوظ رکھے جاتے تھے جب قوت حافظہ بھی اس کی حفاظت کے لئے ناکافی ٹھہری تو فرضی نقوش کی ایک ترکیب مصری یا چینیوں نے اختراع کی جس کے ادائے مطالب کے لئے مختلف اشکال سے مدد لی جانے لگی۔ اب طریق ابجد نے فن کتابت کو بہت آسان کر دیا۔ ہمارے وقت میں کچھ مشکل نہیں کہ ہم کسی واقعہ کا خاکہ قوت حافظہ کی مدد سے اپنے دماغ میں فوراً اتار لیں اور قلم کی زبردست قوت سے اس میں تشریح و توضیح کا رنگ بھر دیں۔ اسباب و آلات کے موجود ہوتے پر بھی ہماری کاہلی اور سہل انگاری کچھ نہیں کرنے دیتی۔ یہ ہماری خواب غفلت میں سونے والی قوم کے لئے اک قابل افسوس بات ہے۔

دنیا میں اس وقت جس قدر مشہور و معروف آثار و اذکار ہیں ان سب کو شرف تاریخ کے صفحوں سے ملا ہے اگر مورخ خاموش رہتے اور قلم اپنی زبان بند رکھتا تو قصر بیجنا طاق کسریٰ دیوار خطا۔ آثار مصر کے عجائبات سے کوئی واقف نہ ہوتا رفتار زمانہ کتاب عالم کے ورق الٹ رہی ہے مگر تاریخ کی ورق گردانی سے مٹے ہوئے نقش و نگاریوں روشن ہو جاتے ہیں جس طرح فصل بہار کے روح پرور جھونکے سبزہ افسردہ اور گلہائے پژمردہ کو شاداب کر دیتے ہیں۔

والمیک۔ کالیداس شیکسپیئر۔ رینالڈس۔ ملٹن۔ بیکن۔ لٹن وغیرہ کے کمالوں کی مجسم تصویریں تاریخ ہی کے آئینہ میں جلوہ افروز ہیں۔ رستم جس کے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ فقط حکیم ابوالقاسم کے زور قلم میں ایک اعجاز ہے یا فوق الاقتدار بشری قوت کا مالک بنگیا جو آجتک شعراء کے قصائد مدحیہ میں مشبہ بہ کا کام دے رہا ہے۔ مرجانے والوں کے کمالوں پر گمنامی کا پردہ نہ ڈالو۔ ورنہ امتداد زمانہ انکے جوہروں کو خاک میں ملا دیگا۔

یہ بات یہ نہیں ہے کہ مغرب ہی کی سرزمین کو قدرت کی جانب سے یہ شرف بخشا گیا ہو کہ اس خاک سے پیدا ہونے والے اپنے مرکزِ اصلی کی جانب رجوع ہونے کے بعد اپنے افسانے آبِ زر سے لکھنے کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے مردم خیز خطہ کو بھی یہ فخر حاصل ہے۔ اس خاکِ پاک سے بڑے بڑے مشاہیرِ عالم پیدا ہو کر آسمانِ علم و کمال کے آفتاب بنکر چمکے اور آج وہی خاک اُن کی آرامگاہ ہے۔ اس خاک میں وہ بیش بہا جواہر چھپے ہوئے ہیں جو سلاطینِ عظیم الشّان کے تاجِ سلطنت کے زیب و زینت تھے۔ وہ اس گلزارِ عالم میں نسیمِ سحر کے جانفزا جھونکوں کی طرح پژمُردہ دلوں کی کلیاں شگفتہ کر گئے اب وہ خاموش ہیں اور قومِ اسلام کے طبقہ آخر کے اہلِ قلم نے اُنکی دوامی ہستی کمال پر گمنامی کا پردہ ڈال دیا ہے۔ محنت کش مزدوروں کے پھاوڑے کی ہر ضرب کے ساتھ ہندوستان کے پُرانے کھنڈروں سے کتابِ تاریخ کے بوسیدہ ورق نکل آتے ہیں جو خاک میں مل جانے والے مکین و مکان کا پتہ بتا رہے ہیں۔ رنگین خیال زندہ دلوں کی کوئی انجمن ایسی نہ ہوگی جسکو شہرِ خموشاں کے باشندوں پر رشک نہ آتا ہو وہ خاموش ہیں مگر اُن کی خاموشی میں زنگار رنگ ترانہ سنجیوں کا مزا ہے۔ اُن کے قوا آج معطل ہیں مگر گذشتہ پُرحیرت ترقیاں ابتک اپنا کام کر رہی ہیں۔ سطحِ زمین سے چند ہاتھ نیچے ایسے بہت سے خزانے ہیں جو اپنے فیضانِ سخن سے دُنیا کو مالامال کر گئے۔ اُن دفینوں پر تاریخ وفات کی مُہریں لگی ہیں اور علم و ہنر کی وسیع دُنیا میں اُنکی تصانیف کی زبردست بنیادیں ایشیا سے یورپ تک روشنی پھیلا رہی ہیں۔ مقدس مزاروں کے سونے والوں پر خدا کی رحمت سایہ گستر ہے اور اُنکی یاد ہمارے دل میں ہمارے جگر میں خون کی طرح دَورہ کر رہی ہے وہ اس قابل ہیں کہ اُنکو یاد رکھو اور اُن کی یاد رکھنے کے لیے بہترین طریقِ عمل یہ ہے کہ اُن کے واقعاتِ زندگی اور معلوماتِ علمی کو کاغذی دُنیا کی سیرگاہ بنا دو کہ ہمارے بعد آنے والی نسلیں بھی فائدہ اُٹھائیں۔ مخلوقاتِ عالم میں شاعر اک خاص ہستی ہے اور اس کا دماغ زنگار رنگ خیالات کا خزانہ ہے۔ وہ خدا کے زمین و آسمان کا مالک اپنی

شاعری کی دُنیا میں کسی چیز کا محتاج نہیں اور نہ اُس کا مستغنی دل کائنات کی بے بہا اجناس لٹانے پر افسوس کرتا ہے۔ اجرامِ فلکی اس کی مانع نہیں اور موالیدِ ثلثہ اس کا مصرف نظامِ عالم اس کے قلم کی ایک گردش وہ اپنی خواہشوں کے پورا کرنے کو نہ دولتمندوں کا محتاج ہے نہ بادشاہوں کا منت کش۔ اس کے فیاض ہاتھ ہمیشہ علم و ہنر کا خزانہ لٹانے کو تیار رہتے ہیں۔ بادشاہانِ جلیل القدر کے درباروں کی عظمت و جبروت تو اِک خاص عہد تک محدود رہتی ہے۔ مگر یہ اقلیم کاغذی کے شہنشاہ اپنی زبردست بنیادِ علم کو تاقیامِ قیامت یادگار چھوڑ جاتے ہیں۔ انہیں کے قلم کی اِک ادنیٰ جنبش نے کشورستانیوں کے جذبات بادشاہوں کے دلوں میں پیدا کر دیے جس سے وہ عظیم الشان مملکت کے وارث ہو گئے۔

(ویسٹ منسٹر اے بی) جسکی چپہ چپہ زمین پر شاہانِ لنڈن کی آرام گاہیں بنی ہیں اور اس خاموش آبادی میں بڑے بڑے اہلِ کمال کا مجمع ہے۔ ایک عبرت خیز نظارہ ہے۔ کسی حصہ میں سلاطین گردنکش و دشمن کُش کی انجمن ہے اور کہیں تلوار کے وہ دھنی بلی ہیں جن کے معرکۃ الآرا حملوں نے روم و شام کے عرصۂ مصاف پر لہو کے دریا بہا دیئے مگر سب سے زیادہ قابلِ تعظیم وہ اہلِ قلم ہیں جنہوں نے اپنے علوم کی روشنی سے موجوداتِ عالم کی ماہیت پر ایسی غائر نظر ڈالی کہ جس سے فلسفۂ قدرت کے اہم مسائل حل ہو گئے۔ اِس لئے شعراء اور مُصنّفین کے مقدس مزار کمال ادب کی نگاہ سے دیکھے جانے کے قابل ہیں۔ ان روشن خیال عالی دماغ شعراء نے کتابِ عالم کا ترجمہ کر کے ہماری نظروں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ جس میں ہم آسمان و زمین کے نوادر کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ بادشاہوں کی قبر پر تو کوئی پھول چڑھانے نہیں آتا۔ مگر (چارلس ڈکنز) کی قبر پر فصلِ بہار کے پھولوں کا ایسا ڈھیر دکھائی دیتا ہے جس کی خوشبو شہرِ خموشاں کے سیر کرنے والوں کا دماغ معطر کر دیتی ہے۔ اہلِ کمال کے لئے یہ ہر دلعزیزی خداداد ہے۔ ڈکنز۔ رچڈسن۔ مکالے اپنی شاعری کی قوت اعجازی سے ہنستے بولتے نظر آتے ہیں۔ اور بہت سے سلاطین ایسے ہیں جنکی شہرتِ مُلک رانی بھی اُن کے

اجسامِ مُردہ کی طرح اس قبرستان کی چار دیواری میں دفن ہے۔ ملکہ الزبتھ قبرستان کے جس گوشہ میں سو رہی ہے اُسی کے قریب ایڈیسن بھی خوابِ راحت میں ہے۔ الزبتھ کا اقبال لوحِ قبر سے نمایاں ہو کہ نہ ہو مگر ایڈیسن کے تعویذِ مزار سے آج بھی علمی شعاعیں نکل نکل کر مغرب سے مشرق تک پھیل رہی ہیں۔ ناداقوں کا خیال ہے کہ شاعری اک فعلِ عبث اور سعی لاحاصل ہے شاید وہ حُسن و عشق کے بے سر و پا داستانوں کو شاعری سمجھے ہُوئے ہیں۔ مگر شاعری کا بلند ترین پایہ (جس کا ذکر انشاءاللہ اس کتاب میں کسی موقع پر کیا جائیگا) دریافت کرتے ہیں اُن کی محدود عقل عاجز ہے۔ شاعری اظہارِ علوم و توسیعِ خیالات کا آلہ ہے۔ شاعری سے طبیعتِ انسانی کو تعلق خاص ہے اور مسائلِ مختلفہ کو نظم میں قید کرنے میں ذہن کو ایک خاص لذت ملتی ہے اور وُہی لذت قوّتِ متخیلہ کو متحرک کرتی ہے اور یہی حرکت قوّتِ متخیلہ مظاہر قدرتی کو نظم کے سانچے میں ڈھالتی ہے اور یہی نظم انسانی شہرت کا ذریعہ ہے اور یہی شہرت اُسکی بقائے دوام کا باعث۔ دُنیا میں دائمی زندگی کون پسند نہیں کرتا۔ بقائے عنصر کے ساتھ بقائے حیات کا اِک وقت محدود ہے مگر شہرتِ کمال جو کوئی مادی قوت نہیں اُس کو فرشتۂ موت کا جابرانہ عمل کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ — ہ

زندہ است نامِ فرخ نوشیرواں بعدل | گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند

بنائً علیہ اِک زمانہ میں میرے پاس کثیر التعداد خطوط آئے کہ میں میر انیس مرحوم کی سوانح عمری قلمبند کروں۔ مگر اس کام کی اہمیت سے نتیجہ ناکامیابی مرتب ہوتا تھا اس لئے کبھی حوصلہ نہ ہوا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ افسانہ نگاری اور تاریخ نویسی میں فرق بیّن ہو۔ تذکرہ یا سوانح عمری کا بنیاد راستی اور تکمیلِ تحقیق پر مبنی ہو۔ قصہ یا ناول کا معیار مُبالغہ اور صنائع شاعری ہے۔ واقعات اصلی کے بیان میں رنگینی خیالات اور شاعرانہ بلند پروازیوں کو دخل نہیں نہ تشبیہ و استعارات کے جواہر کام آسکتے ہیں۔ نہ نصاب و لغات سے اقتباسِ مطالب کیا جاسکتا ہو۔ میری زندگی کی خوشگوار راتیں اس مشکل مسئلہ کی فکر میں گذرنے لگیں۔ گر وہ تمام خیالات جو رات بھر فضائے دماغ

میں چکر لگاتی تھی۔ صبح کو اک خوابِ پریشان کی طرح محو ہو جایا کرتے تھے۔ آخر ایک مدت کے بعد ذہن منتقل ہوا کہ ابھی تک وُہ آنکھیں کھلی ہیں جنہوں نے سید مرحوم کا دور دیکھا ہے اور وہ کان قوتِ سماعت سے عاری نہیں جن میں اُس بُلبلِ ہندوستان کے نغمۂ شیریں بھرے پڑے ہیں۔

وُہ سلسلۂ ارادت و عقیدت جو مجھے اس خاندان سے خاص طور پر ہے وُہ کسی قدر باعث سکونِ خاطر ہوا اور میرے اس خیال میں کامیابی کی اِک ضعیف سی جھلک دکھائی دی کہ اس خاندان بزرگ کے اعلیٰ ممبروں سے اظہارِ مدعا کروں اور ایسا ہی کیا۔

اخی المعظم جناب سید علی محمد صاحب عارف کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کی۔ مخدوم و معظم جناب بھائی صاحب قبلہ کی جناب میں عرضِ حال کیا۔ دونوں صاحبوں نے کمالِ اخلاق سے میرے حقوقِ ارادت پر نظر کر کے مدد دینے کا وعدہ فرمایا۔ مگر بڑے افسوس سے مجھے ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ وُہ کوئی وعدہ سچا نہ ہوا اور کم نصیب احسن کو دونوں دروازوں سے جوابِ صاف مل گیا۔ میرے دونوں مخدوم اپنے عنایت ناموں میں اس معاملہ کے متعلق جو کچھ ارقام فرماتے ہیں۔ اُس کا انتخاب ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

(جناب عارف کے محبت نامہ کا انتخاب)

۲۹۔ جمادی الآخری روز جمعہ

اعز الاخوان سلمکم الرحمٰن

بعد ما یلیق بالشان۔ عالی خاطر خلت ماثر ہو۔ اس وقت آپ کا بنارس والا خط اور حیدرآباد والا دونوں خط پیشِ نظر ہیں۔ آپ کی شکایت میرے سر آنکھوں پر کیونکہ سچی ہے مگر افسوس کہ آپ میری کاہلی اور سستی کے ذرا بھی معتقد نہیں۔ ایک تو میں درحقیقت کاہل اور سست اور ملیجھی واقع ہوا ہوں اور اس پر طرۂ کثرتِ مشاغل۔ ۲۲ پنجشنبہ کو آپکا بھتیجا پیدا ہوا جس کو آج آٹھواں دن ہے۔ آپ کو ماشاء اللہ بزرگوں کی وجہ سے امورِ خانگی میں اشتغال نہیں رہا۔ آپ کو میرے افکار کی کیا قدر ہے۔ آپ ہی فرمائیے کہ اس ماہ مبارک

میں فرصت کہاں سے لاؤں۔ آپ کی فرمائش کی انشاء اللہ ضرور تعمیل کرونگا۔ رنج نہ کیجیے اور غصہ نہ فرمائیے +

جاہل المعارف عارف عفی عنہ

انتخاب سرفراز نامہ مخدومی جناب رشید صاحب مدظلہٗ

میں کئی بار جناب والدہ[1] معظمہ کے پاس قلم دوات لیکر بیٹھا مگر وہ کچھ نہ لکھوا سکیں۔ مجبور ہوگیا۔ میں ابتدائی حالات تو کیا جانوں۔ ہاں جس قدر دیکھا ہے اور یاد آسکتا ہے وہ ممکن ہے۔

اس کے بعد کچھ حالات تحریر فرماتے ہیں مگر وہ ایسے مشہود ہیں جو اس سے پہلے میرے نوٹ بک میں موجود ہیں۔ خدا آگاہ ہے کہ فقیر احسن ان تحریروں سے ان حضرات کی شرافت نفس پر کوئی الزام نہیں لگاتا۔ مگر اس تحقیقات کے متعلق میری مسرتوں میں یہ بڑی دل خوش کن امید تھی جس کا خون ہوگیا۔ پھر بھی میں اس دشوار گذار راہ کی اس منزل تک پہنچ گیا تھا جہاں سے پلٹنا محال تھا۔ خدا کے فضل سے میرے ارادوں میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی اور نہ میرے جذبات میں کوئی ارکاود واقع ہوا جب میں اپنی ملازمت کے ذریعہ سے دنیا کے ہر گوشہ میں سفر کررہا تھا تو سب سے پہلے میرا فرض یہ تھا کہ میں اس تاریخی تحقیقات کے ذرائع وسیع کروں چنانچہ اب تک میں اپنی کوشش میں قاصر نہیں۔ جہانتک اس کام میں اہمیت پیدا ہورہی ہے اتنا ہی مجھے انہماک پیدا ہوتا جاتا ہے اور یہ ناکامیاں بڑی دلچسپ ہیں۔ جن پر میری زندگی کی آخری خوشی کا مدار ہے۔ مجھے اسوقت بھی اک گونہ مسرت حاصل ہے کہ اس تحقیق کے متعلق میری نوٹ بک کے بہت سے ورق آب زر سے لکھنے کے قابل ہوچکے۔

میں یہ تو نہیں بتاسکتا کہ میری زندگی کا کونسا حصہ بیش قیمت وقت ہوگا۔ جب میں اپنی

---

[1] یعنی میر انیس صاحب کی بڑی صاحبزادی جو اسوقت بزرگ خاندان ہیں ۱۲

اس محنت پر فخر کرونگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے اس ارادے کو سوائے موت کے اور کوئی اتفاق بالفعل انشاءاللہ نہ توڑ سکے گا۔

آخر دُنیا پر میں اس طلسم کا راز ظاہر کردونگا اور میرا دامن تحسین و آفرین کے پھولوں سے بھرا ہوا ہوگا۔ اس مقدمہ تصنیف کو اک ادبی رسالہ میں شائع کرنے سے اسوقت صرف یہی غرض ہے کہ ہندوستان کے ہر گوشہ میں میری آواز پہنچ جائے۔ شائد کوئی خدا کا بندہ میرا ہاتھ بٹانے میں مددگار ہو۔ یعنی سید صاحب مرحوم کے متعلق جو کچھ واقفیت ہو اس سے فقیر حسن کو بذریعہ عنایت نامہ آگاہی بخشی جائے۔ میرا پتہ دفتر مخزن سے ہمیشہ معلوم ہوتا رہے گا۔ والسلام

قضا کیوں ہجر میں آتی نہیں گر آنیوالی ہے ۔۔۔ کہ اب ٹوٹے ہوئے دل کی نہایت خستہ حالی ہے
اثر کیونکر رہے کچھ دیر ناصح کی نصیحت کا ۔۔۔ مزاج اپنا ہے رندانہ طبیعت لاابالی ہے
مری پھولوں کی محفل میں وہ اپنے دل میں ہنستے ہیں ۔۔۔ مگر ظاہر میں صورت رونیوالوں کی بنالی ہے
قلق یہ ہے کہ نازک پاؤں دُکھ جائیں نہ قاتل کے ۔۔۔ وگرنہ فخر کی جا مجھکو دل کی پائمالی ہے
بہار اُس گلبدن کو ہر روش ہر نظر دیتی ہے ۔۔۔ دمِ سیرِ چمن ہر شاخِ گل پھولونکی ڈالی ہے
اگر ساقی اجازت دے تو اشکِ سُرخ سے بھر دیں ۔۔۔ بھرے بیٹھے ہیں ہم محفل میں جب سے جام خالی ہے
غضب کا ہی قیامت کا ہی یہ چلتا ہوا جادو ۔۔۔ کیا دیوانہ اُس کو تم نے جس پر آنکھ ڈالی ہے
اگر چاہا خدا نے گھر کرینگے غیر کے دل میں ۔۔۔ نئی اک راہ ہم نے اُن سے ملنے کی نکالی ہے
یہ کس نے اپنے پیارے ناخنوں سے چٹکیاں لی ہیں ۔۔۔ کہ دل میں جو نشانِ زخم باقی ہے ہلالی ہے
بنی ہے مدتوں میں یوں شہیدِ ناز کی تربت ۔۔۔ کہ ہر قاتل نے مٹھی مٹھی اُس پر خاک ڈالی ہے

جلا رکھو چراغ اے آہ دن سے اپنے گھر میں تم
اندھیرا ہو چلا شامِ جدائی آنے والی ہے

ہماری زبان کا اُردو لٹریچر

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

کریٹیسزم (تنقید) علم و ہنر کی ترقّی کے لئے نہایت ضروری ہے بشرطیکہ وہ نیک نیتی سے عدل و انصاف کے ساتھ مفید انام ہو۔ نہ یہ کہ اس سے بدنفسی و کمس طینتی و کم فہمی ظاہر ہو۔ یہ نوجوان جو کچھ کر رہے ہیں اس کے کرنے کے لئے دو سببوں سے مجبور ہیں۔ اوّل جوانی دیوانی تو مشہور عالم ہے۔ دوم یہ امر مسلّم ہے کہ شاعری و موسیقی و طبابت کے فنون ایسے ہیں کہ جو کوئی ان میں مہارت رکھتا ہے اسکو ہم چو من دیگرے نیست کا سودا دماغ میں ضرور ہوتا ہے۔

ادب اور علم کی ایک سیڑھی ہے۔ مگر دونوں کو ایک سمجھنا غلطی ہے اس لئے کہ ادب سے آدمی مغرور ہوتا ہے اور علم سے منکسر۔ ادب پیشہ کے لئے بہت اچھا عصا ہے مگر بُری شمشیر۔ ہر ذی فہم کی یہ تمنا ہونی چاہئے کہ کاش ہمارے نوجوانوں میں ایسی اصلی اور سچی لیاقت پیدا ہو کہ وہ ہم سے برتر ہوں اور بزرگوں کی خطاؤں اور غلطیوں کو بتلا کے فائدہ عام خلقت کو پہنچائیں اور یہ نہ ہو جو اب ہو رہا ہے کہ دماغ اپنا غلطیوں سے بھرا ہوا ہے۔ جس کے سبب سے وہ صحیح کو غلط بتلا رہا ہے۔ ع ولا تا نیاری بزرگی بدست ۔ بجائے بزرگاں نباید نشست۔ بزرگ بنکر بزرگوں کی خطائیں بتاؤ۔ یہ ہماری عین تمنا ہے۔

پہلے زمانہ میں اس نیم مہذب و نیم وحشی ملک میں مشرقی خیالات کے ناظم و ناثر اپنا کامل اثر رکھتے تھے مگر اب زمانہ بدل رہا ہے۔ سر رشتہ تعلیم کا علم ادب و مغربی خیالات کی تعلیم یہ دونوں تہذیب و شائستگی کو بتلا رہے ہیں۔ اس لئے اس زمانہ میں نیم مہذب زمانہ کے علم ادب کو جو پہلے ہی سے ضرورت سے زیادہ موجود ہے۔ اضافہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ کسی دوالیہ کی کوٹھی میں بہی کھاتوں کی کتابوں کا زیادہ کرنا۔ یہ رنگ آمیزی اچھی نہیں کہ ایک ہی رنگ پر اس کے

تئیں چڑھاتے چلے جاؤ۔ یہ کاریگری نہیں کہ ایک ہی دھات پر دھات چڑھائی جائے۔ جیسے کہ ہر اقلیم کے ساتھ بعض امراض کی خصوصیت ہوتی ہے۔ ایسی ہی شاعری کے ہر زمانہ میں تعلّی و تشخص و حسد کی بیماریاں لگی ہوئی ہیں۔ مگر اس زمانہ میں اس کو ایک نیا مرض یہ شروع ہوا ہے کہ شاعروں کے قدر شناس جو پہلے سلاطین و امرا ہوئے وہ نہیں رہے۔ یہ اتفاقی بات ہی کہ داغ کو سرکار نظام قدر شناس مل گئے۔ جس نے اسکو امیر بنا دیا۔ بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ اب شاعروں کو عوام کے روبرو دستِ گدائی دراز کرنا پڑتا ہے۔ جس سے کوئی فراغت نہیں حاصل ہوتی۔ ایک شاعر بھی نہیں جو اپنی تصنیفات کو چھپوا کر بیچے اور فارغ البال ہو جائے۔

(ساتواں) قصص و ناٹک کا علم ادب اردو زبان و ہندی بھاشا میں

سب سے زیادہ قصص کا علم ادب اپنا سر پریس سے دبوا رہا ہے اور پریسمین اور کلیوں کے ہاتھوں کو ٹھکا رہا ہے۔ چھاپے کے دبیز پتھروں سے اپنے اوراق کی جبہ سائی کراکے انکو ضایع کر رہا ہے۔ کاتبوں کے ہاتھوں سے فولادی قلموں کو کاپیوں پر گھسوا کے نکما کر رہا ہے۔ کاغذ پر اپنے پاؤں پھیلا کے کاغذیوں اور کاغذ کی ملوں کو نہال کر رہا ہے۔ کسی کتب فروش کی دوکان کو چلنے نہیں دیتا۔ جب تک اس میں انبار نہ لگے۔ بعض کتاب فروش ان قصص کی کتابوں کو الماریوں میں بند کر کے نہیں رکھتے۔ بلکہ نمائش کے لیئے ان کی قطاریں بنا کے انگنیوں میں لٹکاتے ہیں۔ جن پر ان کے رنگ برنگ گلکار خوشخط ٹائیٹل پیج بڑی بہار دکھاتے ہیں۔ ان قصص کی کتابوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ جسکو اعداد میں بتلانے کے لیئے چند صفروں کے بعد کوئی ہندسہ لکھنا پڑتا ہے۔ ان کے مصنفوں کے نام اتنے ہیں کہ اگر میں لکھوں تو میرا بوڑھا دستِ ناتواں دوات میں سے قلم کے ڈوبے لیتے لیتے تھک جائے۔ پہلے تو ایک ہی بڑا قصہ اردو زبان میں شاہ عالم شہنشاہ دہلی نے تصنیف کیا تھا جسکی زبان ایسی سلیس اور فصیح تھی جیسی کہ چار درویش کی ہے۔ کلامُ الملوک ملوکُ الکلام۔ سخنِ شاہ شاہِ

ہر سخن ہست۔ اسکے دو نسخے نہایت خوشخط با تصویر دہلی کے کتب خانوں میں تھے وہ غدر میں تلف ہو گئے۔ اب تو ایسے بہت بڑے بڑے قصے اردو زبان میں موجود ہیں۔ الف لیلا کی امیر حمزہ کی داستان کی۔ اور بوستانِ خیال کی کل جلدوں کا ترجمہ اردو میں ہو گیا ہے۔ خواجہ صاحب مرحوم نے جو بوستانِ خیال کا ترجمہ کیا تھا اس کی کل جلدوں کی قیمت باون روپیہ تھی۔ ایسی گراں قیمت تھوڑی ہی کتابوں کی ہوتی ہے۔ شوقین اس قیمت پر بھی اسکو خریدتے تھے اور جانتے تھے کہ بہت ارزاں ہاتھ لگی ہے۔ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے فارسی قصے جیسے کہ یوسف زلیخا۔ لیلیٰ مجنوں۔ شیریں خسرو وغیرہ بھی اردو نظم و نثر میں ترجمہ ہو گئے ہیں۔

سرکاری سررشتہ تعلیم نے بھی بعض انگریزی نامی قصوں کا اردو ہندی میں ترجمہ کیا جیسے کہ روبنسن کروسو۔ رسلاس۔ سینڈفورڈ مارٹن۔ وکار آف ویک فیلڈ۔ روجرس۔ اور بعض اور قصص۔ اب کئی سالوں سے انگریزی قصوں کے ترجموں کی وہ کثرت ہوئی ہے کہ لنڈن میں بعض کتب فروش کمپنیوں میکملن وغیرہ کو یہ لالچ آیا کہ ان قصص کے ترجموں سے ہندوستان میں ہم فائدہ اٹھانے کے مستحق ہیں۔ اس لئے انہوں نے کوشش کی کہ ہندوستان میں حقِ ترجمہ قائم ہو۔ جس میں وہ کامیاب نہ ہوئیں۔ یہ زمانہ ہی ایسا ہے کہ مہذب قوموں میں بھی قصہ خوانی کا شوق روز افزوں ہے۔ انگلستان میں جو کتابیں چھپتی ہیں ان میں سڑسٹھ فیصدی قصص کی کتابیں ہوتی ہیں۔ یعنی جتنی اور علوم و فنون کی کتابیں چھپتی ہیں ان سے وہ دو چند ہوتی ہیں۔ ان قصوں میں پولٹیکل سوشیل موریل ہسٹل۔ کل مضامین ہوتے ہیں انمیں سے ابتک ایک قصہ بھی ہماری زبان میں ترجمہ نہیں ہوا۔ مگر رسے نلڈ کی مسٹریز آف لنڈن کا ترجمہ ہوا ہے جس کا چھپنا انگلینڈ میں اس کے فحش ہونے کے سبب سے ممنوع تھا اس کا ایک ترجمہ چھپ کر شائع ہو چکا تھا کہ دوسرا چھپنا شروع ہوا۔ جس کی ممانعت از روئے قانون ہوئی۔ مگر اس کے نمونے پر ہندوستان کے بعض بڑے بڑے شہروں کی مسٹریز (اسرار) چھپے۔ جن میں فحش اس سے بھی زیادہ تھا۔ اب انگریزی ناول بہت ترجمہ ہوتے

ہیں اور اُن سے زیادہ اچھے ہونے پر اصلی قصّے لکھے جاتے ہیں۔ اُن کے سامنے اب پرانے قصّوں فسانۂ عجائب۔ گُل بکاؤلی۔ قصۂ حاتم طائی اور سپاہی زادہ۔ نورتن۔ نوطرز مرصّع طوطا کہانی۔ بیتال پچیسی۔ سنگھاسن بتیسی۔ بدرارت وغیرہ کی قدر و منزلت کم ہو گئی ہے۔ میر حسن کی مثنوی کے چھپنے کی گورنمنٹ نے فحش ہونے کے سبب سے ممانعت کر دی ہے مگر وہ اپنے اشعار کو اور قصص میں بغیر دکھاتے نہیں رہتی۔ بعض قصّہ طرازوں اور افسانہ پردازوں کی تصنیفات کا حجم بوستانِ خیال اور امیر حمزہ کی داستان سے بڑھ گیا ہے۔

ناٹک میں سنسکرت میں سکنتلا دنیا کی مشہور کتابوں میں سے ایک ہے۔ اسکا مصنّف ہمہ دانی میں شیکسپیر کا ہمسر ہُوا۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف بحر العلوم تھا۔ ایک جگہ لکھتا ہے کہ راجہ نے سارتھی سے کہا کہ رتھ کو تیز چلاؤ تو اس نے ایسا تیز چلایا کہ پچھلی چیزیں بڑی سے چھوٹی اور آگے کی چیزیں چھوٹی سے بڑی دکھائی دینے لگیں۔ اور گھوڑوں کی کلغیاں ساکن نظر آنے لگیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف علم حرکت کے اس اصُول سے واقف تھا کہ جب حرکت نہایت تیز ہوتی ہے تو وہ محسوس نہیں ہوتی جیسی کہ لٹو کے بُت بننے کی حالت میں تم دیکھتے ہو۔ اس کا ترجمہ ہماری زبان میں ہو گیا ہے۔ شیکسپیر کے چند ڈرامے پارسیوں نے اپنے تھیٹر کے لئے اُردو میں ترجمہ کر لیے ہیں اور بہت سے ناٹک اُردو زبان میں نئے نئے بنا لیے ہیں۔ اس قسم کی کتابوں کی افراط ہے ۔

علم ادب کے اصُول و فروع

مَیں نے جو سب سے پہلے علم ادب کے اصُول و فروع بیان کئے تھے اُنکی نسبت لکھا تھا کہ سب کے بعد مَیں ان کا مختصر بیان لکھوں گا۔ سو اب لکھتا ہُوں کہ ہماری زبان کی علم لُغت کی کتابیں مطوّل و مختصر اتنی موجود ہیں کہ جو الفاظ کے معانی دیکھنے کے لئے کافی ہیں۔ بعض بڑی بڑی عربی و فارسی لغات کی کتابیں اُردو میں ترجمہ ہو گئی ہیں جیسے کہ منتہی الارب اور غیاث اللغات

بعض ہندی بھاشا کی لغت کی کتابیں بھی موجود ہیں۔ لغت دانی کے لیئے علم لغت کا سرمایہ ہماری زبان میں کافی ہے۔ علم صرف ونحو کی پچاس ساٹھ کتابیں موجود ہیں اور ہندی بھاشا میں بھی کئی کتابیں ہیں۔ اردو کی صرف ونحو کی کتابوں پر اعتراض کرنا بیجا ہے کہ ان میں عربی زبان کی صرف ونحو کا تتبع کیا جاتا ہے۔ یہ تتبع ایسی حالت میں ضروری تھا کہ اردو صرف ونحو کا کوئی نمونہ موجود نہ تھا۔ مگر ان اردو ہندی کی صرف نحو کی کتابوں میں ہماری زبان کا کوئی قاعدہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ اب معترضین جو کوئی خود قواعد صرف ونحو لکھینگے۔ انہی کتابوں کی کتر بیونت سے اپنی کتاب بنائینگے۔ اور وہ دعویٰ یہ کرینگے کہ صرف ہم نے اردو کی صرف نحو کے قواعد لکھے ہیں۔ گو کوئی اب تک قاعدہ یا کوئی نئی بات اضافہ نہ کر سکینگے۔ علم معانی و بیان و عروض و قافیہ کی بھی متعدد کتابیں موجود ہیں۔ حدیق البلاغت کا ترجمہ مولوی صہبائی مرحوم کا ان سب کتابوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اسی کی خوشہ چینی سے اور کتابیں لکھی گئی ہیں۔ رسم الخط میں بھی کئی رسالے ہیں۔ تواریخ میں تو بہت سی مستند کتابیں عربی فارسی سے اردو میں ترجمہ ہو گئی ہیں۔ تاریخ فرشتہ۔ سیر المتاخرین۔ تاریخ بدایونی اور بہت سی۔ پر جس جیسی کہ سوسائٹی کی یعنی معاشرت و تمدن کی حالت کی بتدریج ترقی ہوتی ہے اسی ہی علم ادب کی ترقی بتدریج ہوتی ہے۔ تصنیفات رطب و یابس بری بھلی ملی جلی ہوتی ہیں۔ انہیں جو عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی بھی کتابیں ہوئی ہیں۔ ان کے بھی خاص حصوں میں یک خصوصیت و جدت ایسی ہوتی ہے کہ وہ سرمایہ علمی پر اضافہ کرتے ہیں۔ ورنہ باقی حصص میں ایسے عیوب و نقص ہوتے ہیں کہ تصنیفات بشری کے لیئے لازمی ہیں۔ کوئی انسان ایسی کتاب نہیں تصنیف کر سکتا کہ وہ بالکل بے عیب ہو۔ یہ بڑے حصے پہلے حصوں کے ساتھ پیچھے چلے جاتے ہیں۔ کتابوں کی شہرت خواہ وہ کتنی ہی پرانی ہو جائے۔ انکے اچھے حصوں کے سبب سے قائم رہتی ہے۔ ان ہی کا مطالعہ ادب فہم و ذکا کیا کرتے ہیں۔ وہ انکو اپنے علم کا راس المال بناتے ہیں۔ ان ہی کو اپنے معلومات کا مخزن دل و دماغ میں بناتے ہیں۔ مہذب قوموں کا لٹریچر ان حصص ہی پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ غیر زبانوں سے ایسے حصص کو اپنی

زبان میں ترجمہ کر لیتے ہیں - غرض اعلیٰ درجہ کی مہذب قوموں میں تصنیفات کی اعلیٰ درجہ کی کتابیں علم ادب ہوتا ہے - ہماری معاشرت و تمدنی حالت میں جس قدر ترقی ہوتی جائیگی ہماری تصنیفات کا بُرا حصہ اُڑتا جائیگا اور بھلا حصہ قائم رہیگا - بالفعل یہ نہایت افسوس کی بات ہے - کہ ہماری زبان میں وُہ کتابیں عام پسند ہیں جو تاریخوں اور تذکروں - مثنویوں - دیوانوں - قصوں ناٹکوں میں حُب وطنی و بخشش و محبت کی دلفریب صورتیں صدہا طرح سے دکھاتی ہیں اور دل کو لبھاتی ہیں - مگر انکے مضامین بد اخلاقی و کفر شعاری سے بھرے ہوتے ہیں - ان میں جن محبانِ دل نواز اور عاشقانِ جانباز کا ذکر ہوتا ہے وُہ اپنی بد افعالی میں خود مختار و شتر بے مُہار ہوتے ہیں - جو چاہتے ہیں وُہ کرتے ہیں - اُنکی ذات بے عیب ہوتی ہے - بد کاروں کی بدکاری کا نمونہ و مثال ایک چھوٹے سے دائرہ میں ان لوگوں پر اثر کرتے ہیں جو انکو دیکھتے ہیں - مگر جب یہ بدکاری تحریر میں آکر کتاب کی صورت میں آجاتی ہیں - تو اس کے مضر اثر پھیلنے کی کوئی انتہا نہیں رہتی - اس قسم کی کتابیں دُور دُور ان مقامات میں پہنچ جاتی ہیں جو سب سے الگ تنہا پڑے تھے اور ان میں بیگناہی اور سادہ لوحی اپنا کام کر رہی تھی - وہ وبا کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ پھیلتی جاتی ہیں - ایسی کتابوں کا دم بھر ناز ہر ہے - انکا چھونا موت ہے - کسانوں اور گڈریوں کے جھونپڑوں میں تاجروں کی دکانوں میں - امیروں و غریبوں کے گھروں میں جاکر وہ اپنا مضر اثر کرتی ہیں - خاصکر کم عمروں کو وُہ تباہ کر دیتی ہیں - ان کا حال ٹھنٹ درخت کا سا ہے کہ جس کے پتے ہیں نہ پھول پھل ہیں - سایہ میں جلاتے کے سوا کسی کام کا نہیں *

رسیدِ کُتب :- مفصلہ ذیل کتب بغرض ریویو ہمارے پاس آئی ہیں - انشاءاللہ آیندہ انپر ریویو ہوگا -

ترکوں کی معاشرت (مصنفہ مولوی محمد حسن خانصاحب) دربارِ مہاراجہ رنجیت سنگھ (مترجمہ خان محمد ذوالفقار علی خاں صاحب) خوانینِ مالیر کوٹلہ - تذکیر (مطبوعہ مطبع عزیزی آگرہ) -

پولیٹکل ڈراما

"جنگِ روس و جاپان" کے عنوان سے۔ حیدرآباد کے مشہور و مقبول رسالہ دکن ریویو میں ایک قابلِ قدر اور نتیجہ خیز مضمون شائع ہوا ہے۔ جسے اُردو میں پہلا پولیٹکل ڈراما کہہ سکتے ہیں۔ جب خود ڈراما ہی اُردو میں ابھی ایک نئی چیز ہے۔ اور چند تازہ کتابوں کے سوا کام کے ناٹک ابھی ہماری زبان میں نایاب ہیں۔ تو ڈرامے کی مختلف اصناف کی نوبت کہاں سے آتی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ روزمرہ کے واقعات اور سیاسی خیالات کے ذہن نشین کرنے کے لئے واقعات کو افسانے کا لباس پہنانا یا ڈرامے کے دلچسپ مکالموں کی صورت میں ادا کرنا ایک نہایت ہی موثر پیرایہ بیان ہے اور مغربی دنیا کے صاحبانِ تصنیف اس سے عمومًا بڑے بڑے کام لیتے ہیں۔ دکن ریویو کے باخبر ایڈیٹر۔ محمد ظفر علیخان صاحب بی۔ اے۔ نے اس مثال سے فایدہ اُٹھایا ہے اور جاپان کی نمایاں فتح کی یادگار میں ایک ایسی چیز لکھی ہے جس کا اثر ہندوستان کے ہر حصے میں محسوس ہونا چاہئے۔ یہ ڈراما ریویو کے دو سو صفحے کے قریب گھیرے ہوئے ہے۔ اور اس کی اشاعت کی خاطر چار مہینوں کے پرچے یکجا چھاپے گئے ہیں۔ قصے کے شروع ہونے سے پہلے ایک تمہیدی مضمون مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے سابق ایڈیٹر رسالہ افسر کا لکھا ہوا ہے۔ جو بجائے خود بہت تعریف کے قابل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈراما تو ایک بہانہ ہے۔ قابل مصنف کا مدعا اپنے ملک میں شوقِ ترقی پھیلانا ہے اور اس مدعا کے حصول کے لئے اس تصنیف کے بعض حصے نہایت موزون ہیں۔ ہمارے ذخیرہ ادب کو ایسی کتابوں کی بیحد ضرورت ہے۔ جو سیاسیات کے مسئلے دلچسپ طریقوں سے اور عام فہم پیرایے میں اُردو دان جماعت کے روبرو پیش کریں اور ہمارے ہموطنوں میں ان مسائل پر غور و فکر کرنے کی عادت ڈالیں اور انہیں دنیا کے دوسرے ملکوں کی عملی قوت کی تقلید کے لائق بنائیں۔

یہ ڈراما چار باب پر منقسم ہے اور ہر باب میں متعدد سین ہیں۔ پہلا پردہ اُٹھتے ہی شہنشاہ مکاڈو کی مجلسِ شوریٰ دکھاتا ہے جس میں شہنشاہ اپنے ارکین سے یُوں مخاطب ہوتا ہے:-

اگرچہ اقصائے مشرق میں بج رہا ہے کوسِ وقار اپنا
نواحِ مغرب میں لیکن اب تک جما نہیں اعتبار اپنا
مزا تو جب ہے کہ جرمنی اور فرانس مانیں ہمارا لوہا
ہمارے آگے سرِ تفاخر جُھکائے مغرور زار اپنا

دربار کے اُمرا شہنشاہ کے ہمخیال اور ہم آہنگ ہیں۔ اور روس سے جنگ ٹھن جاتی ہے۔ دُوسرا پردہ محلِ شاہی سے ہمیں ایک غریب بُڑھیا کی جھونپڑی میں لے جاتا ہے۔ جو اپنے اکلوتے بیٹے آوکیو کو خدمتِ ملک و قوم کے لئے آزاد کر دینے کی غرض سے جان پر کھیل جاتی ہے۔ یہی آوکیو جس سے ہمیں ابتدا سے ہی ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ اس قصّے کا "ہیرو" بنتا ہے۔ اور اسی کی بدولت اس ڈرامے میں حُسن و عشق کی چاشنی پیدا کی جاتی ہے۔ تیسرا پردہ ہمیں مشرق کی سرزمین سے منتقل کر کے دفعتًا مغرب کا نقشہ دکھاتا ہے۔ اور زارِ روس اپنے مشیروں سے سرگرم مشورت نظر آتے ہیں اور اُن کے متکبّر اُمرا لڑائی پر آمادہ کرتے ہیں۔ دونو درباروں کا نقشہ کھینچنے میں اُنکی اندرونی حالت کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور مکاڈو اور زار کے خیالات اور جذبات کا فرق دکھایا گیا ہے۔ اسی طرح جاپان اور روس دونو ملکوں کے رہنے والوں کی حالت کا مقابلہ جابجا کیا گیا ہے۔ جاپانی اپنے حاکم سے خوش اور اپنے ملک پر جان فدا کرنے کو تیّار دکھائی دیتے ہیں اور رُوسی مدّتوں کے ظلم و تعدّی سے تنگ آ کر زار اور اُس کی حکومت کے تنزل کے خواہاں ہیں اور جاپانیوں کو زار کے لئے ایک خُدا ساز سامانِ تہدید سمجھتے ہیں۔ جاپانی افسروں کا ایثار اِس سے ظاہر ہے کہ آوکیو اپنی اُمیّ کو جس کا وُہ سچا جان نثار اور عاشق ہے۔ خدا کے حوالے کر کے جنگ میں سربازی کو جاتا ہے اور رُوسی افسروں کی تباہی اُن کی عیاشی سے ہویدا ہے۔ کہ میدانِ کارزار میں بھی ناچ کے جلسے رچاتے ہیں اور وہاں امیر البحر ایک افسر کی بیوی کو بھگانے کی فکر میں نظر آتا ہے۔

دُوسرا باب جس پردے سے شروع ہوتا ہے۔ وُہ آبنائے کوریا کا منظر ہے۔ اور جاپانی

امیر البحر ٹوگو کے جہاز وہاں مقیم نظر آتے ہیں۔ امیر البحر اور اس کے افسروں کا مکالمہ پُرحوصلہ خیالات سے لبریز ہے۔ اور دُوسرا سین آہن پوش جہاز اُساما کی تصویر دکھاتا ہے۔ جہاں کپتان صاحب اُن سپاہیوں اور افسروں کا جامِ صحت پی رہے ہیں۔ جو پورٹ آرتھر کا دہانہ بند کرنے والی مہم کے ہمراہ جانے کے لیئے نامزد ہوئے ہیں۔ یہ جامِ صحت شراب کی جگہ پانی کا جام ہے اور کپتان صاحب کی تقریر میں ایک بلا کا کاٹتا ہوا فقرہ اہلِ یورپ کے شوقِ شراب نوشی کے متعلق ہے۔ وُہ کہتے ہیں :۔ "یہ پانی کا پیالہ جو میں اسوقت تمہیں پینے کے لیئے دیتا ہُوں اِس سے مجھے تمہاری جُراَت یا حوصلہ بڑھانا مقصُود نہیں۔ بلکہ یہ اِس بات کی علامت ہے کہ تم اِس آہن پوش کے چیدہ جانبازوں میں سے ہو۔ ہم لوگوں کے لیئے اِس سے بڑھ کر ذِلّت اور شرم کی اور کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ مقامِ ہلاکت میں جاتے وقت اہلِ یُورپ کی اُس مصنوعی جُراَت کا سہارا ڈھونڈیں۔ جو شراب کے پیالے کی تہ میں چھپی ہُوئی ہوتی ہے"۔ دونو حریفوں کے عادات و اطوار کے امتیاز کو ایک فقرے میں ادا کر دینے کے لئے اس سے بہتر ترکیب مشکل تھی۔ تیسرا سین ہمیں پھر زار کے محل کی سیر کراتا ہے۔ جہاں اُمرا کی باہمی رقابتیں اور اپنے اپنے رُفقا کی طرفداریاں بڑے زور سے موجود ہیں اور خود غرضی حُبِّ وطن کا بہروپ لئے کھڑی ہے۔ اُنکی باتیں سُنو تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اُس کی عزت کے دِل سے خواہاں ہیں اور اُن کے طرزِ عمل کو دیکھو تو اپنے مُلک کی صاف جڑ کاٹتے معلوم ہوتے ہیں۔ چوتھا سین رُوسی مسلمانوں کی ایک مجلس اور اُنکی بد دلی کا نقشہ ہے اور پانچویں چھٹے اور ساتویں میں باغی روسیوں کی سازشیں۔ اور ایک عورت کے سبب سے اُنکی سب سے بڑی سازش کا افشا۔ اس عورت کا قید ہونا اور اپنے عاشق کے ذریعے سے جو فوج میں عہدہ دار ہے اسکا بچ نکلنا بیان کیا گیا ہے۔ آٹھواں پردہ اُس عورت کو مردانہ بھیس بدلے ہُوئے پاتا ہے اور وُہ اپنے رہا کرنے والے عاشق کی نوکری کر کے اُس کے ساتھ لڑائی میں جاتی ہے۔ اِن دونو کی سچی دلدادگی کا تذکرہ بھی ضمناً دلچسپی رکھتا ہے۔ اِن سے ہماری آخری ملاقات ذرا

کے اختتام کے قریب ہوتی ہے۔ جہاں وُہ فوجی افسر زخم کھا کر ہسپتال میں جان دیدیتا ہے اور اُس کی فدائی محبوبہ بسترِ مرگ پر اس سے بیاہی جاتی ہے اور خود بھی وہیں جان دیدیتی ہے۔

تیسرے باب میں ہم اوکیو سے پھر روشناس ہوتے ہیں۔ مگر حضرت پہچانے نہیں پڑتے پہچانے کیونکر جائیں۔ ایک چینی کسان کے بھیس میں دشمن کے خیموں میں گھس کر جاسوسی کر رہے ہیں اور ایسے اُستاد ثابت ہوتے ہیں۔ کہ غنیم کے ہاں سے مجوزہ نقشہ جنگ تک اُڑا لاتے ہیں۔ اِس سے مصنّف کا مطلب جاپانیوں کے اُس کمال کی داد دینا ہے جو اُنہوں نے اپنے محکمۂ اطلاع میں دکھایا اور جس کے سامنے روسی محکمۂ اطلاع کا انتظام بالکل ناقص تھا۔ جاپانی جان پر کھیل کر ہر طرح کی خبریں لے آتے تھے اور روسی اوّل تو اُس طرح آنے کی جرأت ہی نہ کرتے تھے اور اگر کرتے تھے تو مُنہ کی کھاتے تھے اور اپنے بھدے پن سے پکڑے جاتے تھے۔ دُوسرا پردہ اوکیو کو اپنے کیمپ میں دیکھتا ہے اور تیسرے میں اس کی محبوبۂ دلنواز آیمی جو ایک امیر کبیر کی بیٹی ہے اپنی سہیلی سے ہم کلام ہے۔ اور اسی موقعہ پر اُنہیں اوکیو کا خط ملتا ہے۔ جس میں فتح یالو کی خوشخبری مندرج ہوتی ہے۔ اور اس باب کا آخری پردہ اُن خیالات کا اظہار ہے جو قسطنطنیہ میں سُلطان المعظم کے ہاں رُوس کی پے در پے شکستوں اور جاپان کی فتوحات کو دیکھ کر پیدا ہوئے ہونگے۔

چوتھا باب ہمیں روزونسکی کا وُہ بدقسمت بیڑا دکھاتا ہے جو نہایت شد و مد کے ساتھ بالٹک سے روانہ ہوا تھا۔ اور جس سے یہ توقع تھی کہ جاتے ہی جاپانی جہازوں کے دُھوئیں اُڑا دیگا۔ یہی وُہ امیر البحر تھا جس نے چھُوٹتے ہی چند انگریزی ماہی گیروں پر تو بُزدلانہ ہاتھ صاف کیا۔ لیکن آگے چل کر فرانسیسی بندرگاہوں میں طرح طرح کے بہانوں سے پناہ ڈھونڈھنے لگا۔ اور ٹوگو کے مقابلے سے جان چُراتا رہا۔ اور آخر جب اس کے سامنے آیا تو اس کا بیڑا بلبلے کی طرح بیٹھ گیا۔ مصنف اس سین میں غریب ماہی گیروں پر جو ظلم ہُوا وُہ ناظرین کو دکھاتا ہے۔ لیکن توجہ اس تصویرِ غم سے گھبرا کر دوسرے سین کی طرف بھاگتی ہے۔

جہاں پاکباز اکمی جس کے دل میں مُلک کی محبت اوکیو سے بڑھ کر اور اوکیو کی اُلفت مُلک سے بڑھ کر باری باری موج زن ہے۔ سمندر کے کنارے بیٹھی سمندر کی لہروں سے باتیں کر رہی ہے۔ اور کہتی ہے:-

اے دریا کی مصفّا لہرو ۔ اُٹھّو اُبھرو۔ اُترو ٹھہرو
ختم سفر ہوتا ہے تمھارا ۔ آ پہنچا دریا کا کنارا
محنت لگ گئی ساری ٹھکانے ۔ مشکل کی آسان خدا نے
مضطرب و بیتاب ہو پھر کیوں ۔ رنگ رُخ سیماب ہو پھر کیوں
ساحل کو ٹھکرانا کیسا ۔ ماتھے پہ بل لانا کیسا

یہ باب آخری ہے اور اس میں پچھلے بابوں سے بہت زیادہ سین ہیں۔ قصّے کا انجام تو وہی ہے جو دُنیا بھر کو معلوم ہے۔ متواتر فتوحاتِ جاپان کے بعد امریکا کے توسط سے رُوس اور جاپان میں صلح ہو جاتی ہے۔ شخصی معاملات میں سب سے بڑھ کر قابلِ ذکر یہ بات ہے کہ اوکیو کامیابی کے ساتھ گھر لوٹتا ہے۔ اکمی کا باپ اسے فرزندی میں قبول کر لیتا ہے اور دونو کی شادی دُھوم دھام سے رچتی ہے۔ ان مطالب کے بیان کے لئے چار پانچ سین کافی ہوتے۔ مگر مُصنّف نے اس باب کو بارہ سین تک پہنچایا ہے اور وہ اس طرح کہ تمام دنیا کے مشہور دارالخلافوں میں جو باتیں اس واقعہ پر کی جا سکتی تھیں۔ اُن کا خلاصہ کیا ہے۔ کہیں کابل کا دربار ہے۔ کہیں لنڈن کا۔ کہیں قیصر ولیم جاپانی فتوحات پر رائے زنی کر رہے ہیں اور کہیں امریکا کے پریسیڈنٹ رُوزولٹ۔ یہ سب لوگ باتیں تو کام کی کرتے ہیں اور ایک پولیٹکل ڈرامے میں ایسے مکالمے جو ان فصلوں میں درج ہیں جائز بھی سمجھے جانے چاہئیں تاہم یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ان کے اضافے سے کسی قدر غیر ضروری طوالت پیدا ہو گئی ہے۔ جس کا اثر قصّے کی دلچسپی پر اچھا نہیں پڑتا۔

ہم نے اس قصّے کا مختصر سا خاکہ کھینچ دیا ہے۔ مگر پھر بھی کئی عُمدہ سین رہ گئے ہیں۔

جسکا ذکر نہیں ہوسکا - اور مناسب بھی یہی تھا - کیونکہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ پورا خلاصہ دے کر لوگوں کو اصل سے مستغنی کردیں - ہم چاہتے ہیں کہ اُردو خوانوں کی کثیر جماعت کے بیشتر افراد اصل کتاب سے مستفید ہوں اور اس لئے ہمارا یہ خیال ہے کہ اگر اسکو علیحدہ کتاب کی صورت میں چھاپ کر عام طور پر ملک میں پھیلایا جائے تو بہت مفید ہو - اور جب تک ایسا نہیں ہوتا - شائقین دکن ریویو کا پرچہ بابت ستمبر و اکتوبر و نومبر و دسمبر ۱۹۰۵ء ایڈیٹر صاحب سے منگوا کر پڑھیں - اور مصنف کی محنت اور حب وطن کی داد دیں -

یہاں تک تو تھا اس تصنیف کا خلاصہ اور اسکی خوبیوں کا اعتراف - مگر ابھی تنقید کا دوسرا پہلو باقی ہے کہ جو کمی اس میں رہ گئی ہو - اس کا اظہار بھی خوبیوں کے ساتھ ساتھ کیا جائے تاکہ قابل مصنف دوسری اشاعت کے موقعہ پر (جس کی اُمید قوی ہے کہ ضرورت پڑیگی) یا آئندہ اسی قسم کی تصنیف کے وقت اس کمی کی تلافی کر سکے -

سب سے بڑھ کر جو شکایت اس دلچسپ کتاب سے ہمیں ہے - وہ یہ ہے کہ اسے ڈراما کہا گیا ہے مگر اصلی معنوں میں ڈراما بنانے کی پوری کوشش نہیں کی گئی - اس میں شک نہیں کہ انگریزی میں کئی ڈرامے ایسے ہیں جو کبھی فی الواقع تماشے کے طور پر ایکٹ نہیں کئے گئے - صرف کتب خانوں کی زینت رہے ہیں اور کمرے میں بیٹھ کر پڑھنے کے کام آتے ہیں - اگر ہمارے دوست کا بھی اس ڈرامے سے اتنا ہی مدعا ہے - تو خیر - انہیں اس ارادے میں کامیابی ہوئی ہے - لیکن اگر ڈرامے سے مراد ہے ایسی تصنیف جو سٹیج کے لئے موزوں ہو - اور جسے اگر کوئی ہوشیار ناٹک والے تماشے کے طور پر دکھائیں تو ہزارہا لوگ اسے دیکھنے کے لئے کھنچے آویں - تو اس میں بہت کچھ تغیر و تبدل کی ضرورت اور ترقی کی گنجائش ہے - مولوی ظفر علیخاں صاحب نے جو نظم و نثر دونوں میں مہارت اور مشق رکھتے ہیں - اپنی اس دوہری قوت سے کام لیا ہے اور اکثر مکالمے نظم کر ڈالے ہیں - اور اس نظم کے حق میں یہ کہنا محض انصاف ہے کہ اکثر ناٹک کے تماشوں میں جو نظم پیش کیجاتی ہے - وہ اس کے مقابل میں نظم کہلانے کی مستحق نہیں ہوتی -

اس ڈرامے میں اکثر اشعار اچھے پائے گئے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ان غزلوں میں سوا اکثر سٹیج کی گوں کی نہیں۔ وہاں نہ بڑے بڑے لفظوں کی گنجائش ہے۔ نہ مشکل مشکل بندشوں کی۔ اور اگر اشعار اس غرض سے درج کیے گئے ہیں کہ جنکی طرف سے وہ لکھے گئے ہیں۔ وہ انھیں گائیں تو اتنی لمبی غزلیں گاتے گاتے انکے گلے بیٹھ جائیں گے۔

چند مثالیں مندرجہ بالا اعتراض کی توضیح کو کافی ہونگی۔ اس مراسلے کو لیجئے جو باب اول کے تیسرے سین میں روس کا وزیر صیغہ خارجیہ زار کو پڑھ کے سناتا ہے۔ اس کے اٹھارہ شعر ہیں۔ اور یوں شروع ہوتا ہے:-

اے شہنشاہ فلک پایہ و خورشید رکاب ——— اے جہاں دار ملک سایہ و ناہید جناب
جس کی شان اور جلالت کے مقابل میں ہوئی ——— شوکت صدر نشینان زمین نقش بر آب
غیرت ابر گہر بیز ترا لطف و کرم ——— صورت برق شرر ریز ترا قہر و عتاب

یا ساتویں سین میں اس نظم کو دیکھئے جو آدکیو ماکاڈو سے خطاب کر کے پڑھتا ہے:-

اے شہنشاہ فلک درگہ و خورشید نشاں ——— رونق بزم جہاں فخر سلاطین زماں
مرکز دائرہ دولت و اقبال و شکوہ ——— مصدر شاہدۂ عظمت و شوکت و شاں
منتہائے نظر دانش و تدبیر و خرد ——— مبتدائے خبر عافیت و امن و اماں

یا جہاں ہز مجسٹی سراج الملۃ والدین امیر کابل کے دربار میں صدر اعظم یوں افتتاح کلام کرتی ہیں

چہکنے لگے شاخساروں میں بلبل ——— چٹکنے لگے غنچے کھلنے لگے گل
زمانہ ہوا محو جشن بہاراں ——— پیالہ ہوا لالہ شبنم بنی مل
چمن میں ہیں انبار نسرین و گل کے ——— مزا دے رہی ہے بہار تقابل
پکارے یہ کہتی ہیں سنبل کی زلفیں ——— غلط ہے کہ باطل ہے دور تسلسل
نوا ریز ہیں نغمہ سنجان گلشن ——— دکھاتے ہیں شان کمال تغزل
ہیں صرف دعا گوئی خان اعظم ——— ہیں واقف ثنا خوانی شاہ کابل

امیرِ فلک قدر فخرِ اماثل　　بہیں کنزِ اکرام و گنجِ تفضّل

یہ تینوں ٹکڑے نظم کے جو مثال کے طور پر لئے گئے ہیں۔ قصیدے کے رنگ میں لکھے ہُوئے ہیں اور یہ وُہ رنگ ہی جس کے لیے ہمارے دوست ظفر علی خاں صاحب کی طبیعت خصوصیّت سے موزوں واقع ہوئی ہے۔ اگر اُنہوں نے کوئی قصیدہ لکھا ہوتا۔ اور اُس میں یہ اشعار آتے تو ہم ان شعروں کی دل کھول کر داد دیتے۔ مگر اس ڈرامے کے مکالموں میں یہ برمحل نہیں معلوم ہوتے۔ ڈرامے کے مکالموں کے لئے سب سے ضروری چیز ہے اُن کا نیچرل ہونا اور وُہی اِن اشعار میں موجود نہیں۔ اوّل تو یہی بہت موزوں نہیں کہ نائب السلطنت کے مراسلات منظوم ہوں اور صدرِ اعظم سیاسیات کی گفتگو چھیڑنے کے لئے قصیدہ کہنے لگیں اور پھر قصیدہ بھی کیسا جو فوراً ممدوح کی ثنا سے شروع ہونے کی بجائے ایک لمبی تشبیب سے شروع ہو جیسا کہ آخری نمونے سے ظاہر ہے۔ یہ گُل و مُل۔ یہ سنبل کی زُلفیں۔ یہ تغزل یہ تشبیب سب ایک پولیٹیکل ڈرامے میں کیونکر کھپ سکتے ہیں۔

جو مثالیں اُوپر بیان ہُوئیں اُن سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے۔ کہ اس ڈرامے میں حصّہ نظم سب اسی طرح کا ہے۔ نہیں بعض مقامات میں طبعِ مصنّف نے سادہ اور پُرزور اشعار لکھنے میں کمال دکھایا ہے۔ اور وہ اشعار ایسے ہیں۔ کہ اگر یہ ڈراما سٹیج پر دکھایا جائے تو نہایت مؤثر ثابت ہوں۔ ایسے اشعار کا ایک نمونہ آپ آہی کی زبان سے سُن چکے ہیں۔ ایک دوسرا نمونہ اوکیو سے سُن لیجئے۔ جو اُس سے رخصت ہوتے وقت یُوں سخن سرا ہوتا ہے:-

تیری آنکھیں ہیں مجھے مست بنانے والی　　بادۂ ناب کے دو گھونٹ پلانے والی
اِس محبت کا بُرا ہو کہ یہ وُہ آتش ہے　　جو مرے ساتھ تمہیں بھی ہے جلانے والی
شکوہ بے سود ہو آنا تھا طبیعت کو ضرور　　کہ بلا ٹل نہیں سکتی کبھی آنے والی
کیا عجب ہے کہ محبت تری ثابت ہو جائے　　مری تقدیر کے لکھے کو مٹانے والی
کیا عجب ہے کہ یہی جنگ بنے آخر میں　　تجھ کو مجھ سے تو مجھے تجھ سے ملانے والی

یہ وہ اشعار ہیں جو سٹیج پر کسی خوش گلو اور ماہر فن ایکٹر کی زبان سے نکلکر سینکڑوں دلوں کو بیتاب کردیں- اور جو گائے جانے کے لئے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

مکاڈو کے وُہ اشعار جن میں وُہ ایشیا کے مستقبل کا بیان کرتا ہے۔ اور جاپان کے فرائض اس مقصد کے حصول کے متعلق ظاہر کرتا ہے۔ ہمیں خاصکر پسند ہیں اور پولیٹیکل پہلو سے اہل ہند میں ایک نئی رُوح پھونکنے کے لیئے اس ڈرامے کے بہترین اشعار یہی ہیں :-

ہے بنناھمیں رہ نما ایشیا کا | جلانا ہے ہم کو دیا ایشیا کا
وُہ تہذیب جو ہو گئی ہے پُرانی | اسے کہیئے وہ بادہ ارغوانی
وُہی آگ اگلی سی جس میں بھری ہے | وُہی مے ہے بوتل مگر دوسری ہے
بھرینگے ہم اُسکو نئی ساتگیں میں | پلائینگے بھر بھر کے جاپان وچین میں
اسے پی کے جو مست و آزاد ہونگے | وُہ حکمت میں یورپ کے اُستاد ہونگے

باوجودیکہ یہ اشعار جوش سے بھرے ہُوئے ہیں- اور تاثیر میں نظم عموماً نثر سے بڑھ کر ہوتی ہے- مگر نثر کے بعض سیدھے سادے جملوں میں بھی کبھی کبھی غضب کا جادو ہوتا ہے- چنانچہ ایسے چند جملے اس کتاب میں آئے ہیں- مثلاً جہاں اوکیو اپنی ماں کے گذر جانے کے بعد تنہائی میں اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہے :-

"دُنیائے ناپائدار میں میں اکیلا رہ گیا- خویش و اقربا اور اعزہ و احباب پیوند زندگانی ہوا کرتے ہیں- میرا نہ کوئی قریبی رشتہ دار ہے نہ کوئی دلی دوست- اب جینے میں کیا لطف رہا- میرے گھر کی مرادوں اور خوشیوں کی کل کائنات ایک مری بیوہ ماں تھی- اُس کا جو حشر ہوا وہ مُلک میں آشکار ہے- وُہ مجھے بتائی گئی ہے کہ مجھے اس دُنیا میں رہ کر کیا کرنا چاہیے- وُہ میرے مقدر کا پروگرام اپنے خُون سے تیار کرتی گئی ہے"۔

جہاں مصنف کے قلم سے ایسے پُرزور جملے نکل گئے ہیں- جن پر وُہ ناز کر سکتا ہے- وہیں ایک آدھ جگہ نہایت رکیک عبارت لکھی گئی ہے- جو باقی کتاب کی شان کے خلاف ہو- مثلاً

دُوسرے باب کے چوتھے سین میں جہاں ایک سحر آمیز مخمس لکھی گئی ہو۔ اس میں دُوسرا بند ایسا ہو جو کسی اعتبار سے جائز نہیں کہا جاسکتا اور خصوصًا اس بند کو نکال ڈالیں۔

ایک اور ضروری امر جتلانے کے قابل ہو۔ اور وُہ یہ کہ گو اس کتاب کا مقصد ہندوستان میں حب وطن کی گرمجوشی پیدا کرنا ہے۔ لیکن ہندوستان ہی میں اس کا کوئی سین نہیں رکھا گیا۔ ہندوستان سے اس کا کچھ تعلق پیدا کرنے کے لئے اتنا کیا گیا ہے کہ دو قابل ہندوستانی یعنی اقبال خاں اور مظفر خاں رزمگاہ سے متعلق کردیئے گئے ہیں اور وہاں اپنے مُلک کی حالت پر گفتگو کرتے ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں یہ کافی نہیں ہو۔ چاہیئے تھا کہ جیسے باقی دُنیا پر اس عالیشان معرکے کا اثر دکھایا گیا ہے۔ اُسی طرح یہ بھی دکھایا جاتا کہ ہندوستان میں اس کے بعد کیا خیالات اور تحریکیں پیدا ہوئیں۔ اور اُس جوش سے جو اہل ہند کے دلوں میں جاپانیوں کی کامیابی دیکھ کر پیدا ہُوا۔ پائداری کی کہانتک اُمید ہے۔

ان قابلِ تلافی اُمور سے قطع نظر کرکے بہ حیثیتِ مجموعی مولوی ظفر علیخاں صاحب کی یہ تصنیف نہایت قدر کے قابل ہے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ مُلک اُن کی حوصلہ افزائی کرنے میں کوتاہی نہیں کرے گا۔

عبد القادر

ہمارا نام کام سے قایم رہتا ہے۔ سال وماہ کی درازی سے نہیں۔ خیال اور جذبات سے باقی رہتا ہو۔ سانس سے نہیں۔ کاغذی تصویر میں حیاتِ حقیقی نہیں ہوتی۔ جذبات اور صفات سے زندگی ہو۔ ہم لوگوں کو اپنی عُمر یا حیاتِ پاک کا اندازہ دل اور رُوح کی حرکت معنوی سے کرنا چاہیئے۔ بس وہی سب سے زیادہ زندہ رہتا ہو اور اسی کا نام باقی رہ جاتا ہے۔ جو سب سے زیادہ غور و فکر کرتا ہے۔ سب سے زیادہ پاک اور شریف جذبات کو کام میں لاتا ہے۔ اور خیر و برکت کے کام اور کارنامے دکھا جاتا ہے۔

(دہلی) نذیر ہاشمی

پیغامِ راز

شیخ محمد اقبال صاحب جب سے کیمرج یونیورسٹی کے ٹرنٹی کالج میں پہنچے ہیں اپنے نئے مشاغلِ علمی میں بیحد مصروف ہو گئے ہیں۔ اور نظم کے حصے کا وقت نذرِ جستجو ہو رہا ہے۔ اورگنجِ کتب کی ورق گردانی باقی سب شوقوں پر غالب ہے۔ ان دنوں میں اُنہیں نظم لکھنے کی تحریک کرتے ہوئے بھی تامل ہوتا ہے۔ خدا بھلا کرے شیخ نذر محمد صاحب بی۔ اے (اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ دہلی) کا۔ کہ اُن کے ایک خط نے ذیل کے اشعار لکھوا لئے۔ یہ گویا انکے خط کا جواب ہے معلوم نہیں اُنہوں نے خط میں کیا کیا لکھا تھا۔ جس کے جواب میں یہ رنگین شعر نکلے ہیں۔ اسوقت ہم رازدار نہیں۔ محض پیغام بر ہیں ہاں اتنا جانتے ہیں۔ ع یہی اشعار زبانوں پہ ہیں رہنے والے ؏

کیونکر نہ وہ جہان کو پیغامِ بزمِ راز دے
غم کی صدائے دلنشیں جس کا شکستہ ساز دے

قسمت سے ہو گیا ہو تو ذوقِ تپش سے آشنا
پروانہ وار بزم کو تعلیمِ سوز و ساز دے

اس عشق خانہ سوز کا شانِ کرم پہ ہے مدار
یاں قیدِ کفر و دیں نہیں جسکو وہ بے نیاز دے

غافل تجھے خبر نہیں لذتِ فراغ میں ہے کیا
دنیا ادا پہ کر فدا عقبیٰ بہائے ناز دے

مانندِ شمع نور کا ملتا نہیں لباس اسے
جس کو خدا نہ دھڑکن گریۂ جانگداز دے

رکھتا نہیں جہان میں ارزاں متاعِ کافری
قیمت میں اس کی خرقہ دے تسبیح دے نماز دے

پابندِ یک صنم نہ ہو۔ ہر لحظہ نو نیاز رہ
پوجا کو اس روش سے تو ہر برہمن نماز دے

تارے میں وہ قمر میں وہ جلوہ گہِ شفق میں وہ
چشمِ نظارہ میں نہ تو سرمۂ امتیاز دے

رفعت ہے عجز میں نہاں یعنی نیاز کر شعار
وہ محوِ ناز ہے اگر۔ تو بھی جوابِ ناز دے

ہو شوقِ سیرِ گل اگر۔ ایسا چمن تلاش کر
ہر غنچے کی چٹک جہاں لطفِ نوائے راز دے

محفل جو تھی بدل گئی ۔ ساقی تجھے خبر بھی ہے — اب نہ خدا کے واسطے اِنکو مے مجاز دے

پیرِ مغاں فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر
اِس میں وہ کیفِ غم نہیں ۔ مجھکو تو خانہ ساز دے

چُپ کی داد

(شمس العلما مولانا حالی مدظلہ کی وہ نظم جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے گذشتہ اجلاس میں بمقام علیگڈھ پڑھی گئی)۔

پہلا بند

اے ماؤ بہنو بیٹیو! دُنیا کی زینت تم سے ہے — مُلکوں کی بستی ہو تمہیں قوموں کی عزت تم سے ہے
تم گھر کی ہو شہزادیاں شہروں کی ہو آبادیاں — غمگیں دلوں کی شادیاں دُکھ سُکھ میں راحت تم سے ہے
تم ہو تو غربت ہے وطن تم بن ہے ویرانہ چمن — ہو دیس یا پردیس جینے کی حلاوت تم سے ہے
نیکی کی تم تصویر ہو عفت کی تم تدبیر ہو — ہو دین کی تم پاسباں ایماں سلامت تم سے ہے
فطرت تمہاری ہے حیا طینت میں ہے مہر و وفا — گھُٹی میں ہے صبر رضا اِنساں عبارت تم سے ہے
مردوں میں ست والے تھے جو ست بیٹھے اپنا کب کے کھو — دُنیا میں ہو ستونتیو! لے دیکے اب ست تم سے ہے
مونس ہو خاوندوں کی تم غمخوار فرزندوں کی تم — تم بِن ہے گھر ویران سب گھر بھر میں برکت تم سے ہے
تم آس ہو بیمار کی ڈھارس ہو تم بیکار کی — دولت ہو تم نادار کی عُسرت میں عشرت تم سے ہے

آتی ہو اکثر بے طلب دُنیا میں جب آتی ہو تم
پر موہنی سے اپنی یہاں گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

دوسرا بند

میکے میں ساری گھر کی تھیں گو مالک و مختار تم — پر سارے کنبے کی رہیں بچپن سے خدمتگار تم
ماں باپ کے حکموں پہ پُتلی کی طرح پھرتی رہیں — غمخوار بابوں کی رہیں ماؤں کی تابعدار تم
دن بھر پکانا ریندھنا سینا پرونا ٹانکنا — بیٹھیں نہ گھر پر بیٹھ کے خالی کبھی زنہار تم
راتوں کو چھوٹے بھائی بہنوں کی خبر اُٹھ اُٹھ کے لی — بچہ کوئی سوتے میں رویا اور ہوئیں بیدار تم
سُسرال میں پہنچیں تو واں اک دوسرا دیکھا جہاں — جا اُتریں گویا دیس سے پردیس میں اک بار تم
واں فکر تھی ہر دم یہی ناخوش نہ ہو تم سے کوئی — اپنے سے رنجش کے کبھی پاؤ نہ واں آثار تم
بدلے نہ شوہر کی نظر سُسرے کا دل میلا نہ ہو — آنکھوں میں ساس اور نند کی کھٹکو نہ مثلِ خار تم
پالا بڑوں سے گر پڑے بدخو ہوں سب چھوٹے بڑے — چتون پہ میل آنے نہ دو گو دل میں ہو بیزار تم
غم کو غلط کرتی رہو سُسرال میں ہنس بولکر
شربت کے گھونٹوں کی طرح پیتی رہو خونِ جگر

تیسرا بند

شادی کے بعد ایک ایک کو تھی آرزو اولاد کی — تم پھنس گئیں جنجال میں خالق نے جب اولاد دی
دردوں کے دُکھ تم نے سہے جاپے کی جھیلیں سختیاں — جب موت کا چکھا مزا تب تم کو یہ دولت ملی
میکے میں اور سُسرال میں سب کے ہوئے دل باغ باغ — گھر میں اُجالا تو ہوا پر تم پہ بپتا پڑ گئی
کھانا پہننا اوڑھنا اپنا گئیں سب بھول تم — بچوں کے دھندے میں تمہیں اپنی نہ کچھ سدھ بدھ رہی
تب تک بھی سمجھو خیر تھی جبتک بھلے چنگے تھے سب — پر سامنا آفت کا تھا گر ہو گیا ماندا کوئی
سُولی پہ دن کٹنے لگے راتوں کی نیندیں اُڑ گئیں — ایک اک برس کی ہو گئی ایک ایک پل ایک اک گھڑی
بچوں کی سیوا میں تمہیں گذرے ہیں جیسے سن برس — قدر اُس کی جانیگا وہی دم پر ہو جس کے بنی
کی ہے جو تم نے سر مردوں کو کیا اس کی خبر — جانے پرائی پیڑ وہ جس کی بوائی ہو پھٹی

تھا پالن اولاد کا مُردوں کے بوتے سے سوا آخر یہ اے دُکھیاریو! خدمت تمہارے سر پڑی
پیدا اگر ہوتیں نہ تم بیڑا نہ ہوتا پار یہ
چیخ اُٹھتے دو دن میں اگر مَردوں پہ پڑتا بار یہ

چوتھا بند

لیتیں خبر اولاد کی مائیں نہ گر چھوٹے ہیں یہاں خالی کبھی کا نسل سے آدم کی ہو جاتا جہاں
یہ گوشت کا اِک لوتھڑا پروان چڑھتا کس طرح چھاتی سے لپٹائے نہ ہر دم رکھتی گر بچے کو ماں
وُہ دین اور دُنیا کے مُصلح جنکے وعظ اور پند سے ظلمت میں باطل کی ہوا دُنیا پہ نُورِ حق عیاں
وہ علم اور حکمت کے بانی جن کی تحقیقات سے ظاہر ہُوئے عالم میں اسرارِ زمین و آسماں
وُہ شاہِ کشور گیر اسکندر کہ جسکی دھاک سے تھے بید کی مانند لرزاں تاج دارانِ جہاں
وہ فخرِ شاہانِ عجم کسریٰ کہ جس کے عدل کی مشرق سے تا مغرب زبانوں پر ہے جاری داستاں
کیا پھول پھل یہ سب اُنہیں کمزور پودوں کے نہ تھے سینچا تھا ماؤں نے جنھیں خُونِ جگر سے اپنے یہاں
کیا صوفیانِ باصفا کیا عارفانِ باخُدا کیا انبیا کیا اولیا کیا غوث کیا قُطبِ زماں
سرکار سے مالک کی جتنے پاک بندے ہیں بڑھے
وُہ ماؤں کی گودوں کے زینے سے ہیں اُوپر چڑھے

پانچواں بند

افسوس دُنیا میں بہت تم پر ہُوئے جور و جفا حق تلفیاں تم نے سہیں بے مہریاں جھیلیں سدا
اکثر تمہارے قتل پر قوموں نے باندھی ہے کمر دیں تا کہ تم کو یک قلم خود لوحِ ہستی سے مٹا
گاڑی گئیں تم مدتوں مٹی میں جیتی جاگتی حامی تمہارا تھا نہ یاور کوئی جز ذاتِ خُدا
زندہ سدا جلتی رہیں تم مُردہ خاوندوں کے ساتھ اور چین سے عالم رہا یہ سب تماشے دیکھتا

بیاہی گئیں اُس وقت تم جب بیاہ سے واقف نہ تھیں
جو عمر بھر کا عہد تھا وہ کچے تاگے سے بندھا
بیاہا تمہیں ماں باپ نے اے بے زبانو! اس طرح
جیسے کسی تقصیر پر مجرم کو دیتے ہیں سزا
گذری اُمید و بیم میں جبتک رہا باقی سُہاگ
بیوہ ہوئیں تو عمر بھر پھر چین قسمت میں نہ تھا
تم سخت سے سخت امتحاں دیتی رہیں پر رائگاں
کیں تم نے جانیں تک فدا کہلائیں لیکن بیوفا
گو صبر کا اپنے نہ کچھ تم کو ملا انعام یہاں
پر جو فرشتہ سے نہ ہو وہ کر گئیں تم کام یہاں

چھٹا بند

کی تم نے اس دار المحن میں جس تحمّل سے گذر
زیبا ہے گر کہئے تمھیں فخرِ بنی نوعِ بشر
جو سنگدل سفاک پیاسے تھے تمہارے خون کے
اُن کی تو ہیں بے رحمیاں مشہور عالم میں۔ مگر
تم نے تو چین اپنے عزیزوں سے کبھی پایا نہ کچھ
شوہر ہوں اس میں یا پدر یا ہوں برادر یا پسر
اُلفت تمہاری کر گئی گھر دل میں جس بے درد کے
وہ بدگماں تم سے رہا اے بے نصیبو! عمر بھر
گو نیک مرد اکثر تمہارے نام کے عاشق رہے
پر نیک ہوں یا بد رہے سب متفق اس رائے پر
جب تک جیو تم علم و دانش سے رہو محروم یہاں
آئی تھی جیسی بے خبر ویسی ہی جاؤ بے خبر
تم اس طرح مجہول اور گمنام دُنیا میں رہو
ہو تم کو دُنیا کی نہ دنیا کو تمہاری ہو خبر
جو علم مردوں کے لئے سمجھا گیا آبِ حیات
ٹھہرا تمہارے حق میں وہ زہرِ ہلاہل سر بسر
آتا ہے وقت انصاف کا نزدیک ہے یوم الحساب
دُنیا کو دینا ہوگا ان حق تلفیوں کا واں جواب

ساتواں بند

گذرے تھے جگ تم پر کہ ہمدردی نہ تھی تم سے کہیں
تھا منحرف تم سے فلک برگشتہ تھی تم سے زمیں

دُنیا کے دانا اور حکیم اِس خوف سے لرزاں تھے سب　　تم پر مُبادا علم کی پڑ جائے پرچھائیں کہیں
ایسا نہ ہو مرد اور عورت میں رہے باقی نہ فرق　　تعلیم پاکر آدمی بننا تمھیں زیبا نہیں
یہاں تک تمھاری ہجو کے گائے گئے دُنیا میں راگ　　تم کو بھی دُنیا کی کہن کا آگیا آخر یقیں
علم و ہُنر سے رفتہ رفتہ ہوگئیں مایوس تم　　سمجھا لیا دل کو کہ ہم خود علم کے قابل نہیں
جو ذلّتیں لازم ہیں دُنیا میں جہالت کیلئے　　وُہ ذلّتیں سب نفس پر اپنے گوارا تم نے کیں
سمجھا نہ تم کو ایک دن مردوں نے قابل بات کے　　تم بیویاں کہلائیں لیکن لونڈیاں بنکر رہیں
آخر تمھاری چُپ دلوں میں اہلِ دل کے چُبھ گئی　　سچ ہے کہ چُپ کی داد آخر بے ملے رہتی نہیں

بارے زمانہ نیند کے ماتوں کو لایا ہوش میں
آیا تمھارے صبر پہ دریائے رحمت جوش میں

آٹھواں بند

نوبت تمھاری حق رسی کی بعد مدت آئی ہے　　انصاف نے دُھندلی سی ایک اپنی جھلک دکھلائی ہے
گو ہے تمھارے حامیوں کو مشکلوں کا سامنا　　پر حل ہر اک مشکل یونہیں دُنیا میں ہوتی آئی ہے
اٹکے ہیں روڑے چلتی گاڑی میں سچائی کی سدا　　پر فتح جب پائی سچائی ہی نے آخر پائی ہے

خطاب بہ حامیانِ تعلیمِ نسواں

اے بے زبانوں کی زبانو اے بسوں کے بازوؤ!　　تعلیمِ نسواں کی مہم جو تم کو اب پیش آئی ہے
یہ مرحلہ آیا ہے پہلے تم سے جن قوموں کو پیش　　منزل پہ گاڑی اُن کی اِستقلال نے پہنچائی ہے
ہے رائی بھی پربت اگر دل میں نہیں عزم درست　　پر ٹھان لی جب جی میں پھر پربت بھی ہو تو رائی ہے
یہ جیت کیا کم ہے کہ خود حق ہے تمھاری پُشت پر　　جو حق پہ مُنہ آیا ہے آخر اُس نے مُنہ کی کھائی ہے
جو حق کے جانب دار ہیں بس اُن کے بیڑے پار ہیں　　بھوپال کی جانب سے یہ ہاتف کی آواز آئی ہے

ہے جو مُہم درپیش دستِ غیب ہے اسمیں نہاں
تائیدِ حق کا ہے نشاں امدادِ سلطانِ جہاں

بیگم صاحبہ والیِ بھوپال

(از رسالہ خاتون علیگڈھ)

لوازمِ شاعری

شعر گوئی میں رہیں پیشِ نظر یہ باتیں — کہ بغیر ان کے فصاحت نہیں ہوتی پیدا
چست بندش ہو نہو سست یہی خوبی ہے — وہ فصاحت سے گرا شعر میں جو حرف دبا
عربی فارسی الفاظ جو اُردو میں کہیں — حرفِ علت کا بُرا اُن میں ہے گرنا دبنا
الفِ وصل اگر آئے تو کچھ عیب نہیں — لیکن الفاظ میں اُردو کے یہ گرنا ہے روا
جس میں گنجلک نہو تھوڑی بھی صراحت سے وہی — وہ کنایہ ہے جو تصریح سے بھی ہو اولےٰ
عیب و خوبی کا سمجھنا ہے اِک امرِ نازک — پہلے کچھ اور تھا اب رنگِ زباں اور ہوا
یہی اُردو ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے — اہلِ دہلی نے اسے اور سے اب اور کیا
مستند اہلِ زباں خاص ہیں دلی والے — اس میں غیروں کا تصرف نہیں مانا جاتا
جوہری نقدِ سخن کے ہیں پرکھنے والے — ہے وہ ٹکسال سے باہر جو کسوٹی نہ چڑھا
بعض الفاظ جو دو آئے ہیں اِک معنی میں — ایک کو ترک کیا ایک کو قایم رکھا
ترک جو لفظ کیا اب وہ نہیں مستعمل — اگلے لوگوں کی زباں پر وہی دیتا تھا مزا
گرچہ تعقید بُری ہے مگر اچھی ہے کہیں — ہو جو بندش میں مناسب تو نہیں عیب ذرا
شعر میں حشو و زوائد بھی بُرے ہوتے ہیں — ایسی بھرتی کو سمجھتے نہیں شاعر اچھا
گر کسی شعر میں ایطائے جلی آتا ہے — وہ بڑا عیب ہے کہتے ہیں اُسے بے معنی

استعارہ جو مزے کا ہو مزے کی تشبیہ	اس میں اک لطف ہے اس کہنے کا پھر کیا کہنا
اصطلاح اچھی مثل اچھی ہو بندش اچھی	روزمرہ بھی رہے صاف فصاحت سے بھرا
ہے اضافت بھی ضروری مگر ایسی تو نہو	ایک مصرع میں جو ہو چار جگہ بلکہ سوا
عطف کا بھی ہے یہی حال یہی صورت ہے	وہ بھی آئے متوالی تو نہایت ہے بُرا
لف ونشر آئے مرتب وہ بہت اچھا ہے	اور ہو غیر مرتب تو نہیں کچھ بیجا
شعر میں آئے جو ایہام کسی موقع پر	کیفیت اُس میں بھی ہے وہ بھی نہایت اچھا
جو نہ مرغوبِ طبیعت ہو بُری ہے وہ ردیف	شعر بے لُطف ہے کہ قافیہ ہو بے ڈھنگا
ایک مصرع میں ہو تم دوسرے مصرع میں ہو تو	یہ شُتر گربہ ہوا میں نے اِسے ترک کیا
چند بحریں متعارف ہیں فقط اُردو میں	فارسی میں عربی میں ہیں مگر ان سے سوا
شعر میں ہوتی ہے شاعر کو ضرورت اسکی	گر عروض اُس نے پڑھا وہ ہے سخنور دانا
مختصر یہ ہے کہ ہوتی ہے طبیعت اُستاد	دین اللہ کی ہے جسکو یہ نعمت ہو عطا
بے اثر کے نہیں ہوتا کبھی مقبول کلام	اور تاثیر وہ شے ہے جسے دیتا ہے خدا
گرچہ دُنیا میں ہُوئے اور ہیں لاکھوں شاعر	کسب فن سے نہیں ہوتی ہے یہ خوبی پیدا

عید اضحیٰ

عیدِ اضحیٰ نے مہیا کر دیا سامانِ عید	گرد پھر پھر کے پیالے ہو گئے قربانِ عید!
ہر مکاں اسبابِ عشرت سے ہوا ہی کانِ عید	سج گئی ہے جنسِ تفریحات سے دُکانِ عید
مہر نکلا چاک کر کے جب گریبانِ سحر	دستِ عالم بڑھ کے پہنچا جانبِ دامانِ عید
شاہِ خاور دال ہوا تختِ فلک پر جلوہ گر	ہاں بیاضِ صبح پر لکھا گیا فرمانِ عید

"چشمِ ما روشن دلِ ما شاد" سب کہتے اُٹھے — دیدۂ عالم کا سُرمہ بن گیا احسانِ عید
ہر بڑے چھوٹے کے گھر میں آج پھیلی ہو خوشی — خانۂ دلہائے عالم آج ہو ایوانِ عید
عیدِ قربانی کا عالم ہو - بطِ مے ہو حلال — آج پیمانے سے آئے ساقی بندھے پیمانِ عید
رند مشرب زاہدوں سے - رند سے زاہد ملیں — رُوح پرور جانِ راحت راحِ طاعت جانِ عید
خُونِ قربانی کی سُرخی نے جمایا ہے وہ رنگ — لالہ زارِ صحنِ جنّت بنگیا میدانِ عید
خُونِ قربانی پہ ہے قربان رنگِ کہکشاں — جل گئی گاوِ فلک بھی - دیکھ کر جولانِ عید
دام میں وہ دانۂ مرجاں سے ہرگز کم نہ تھا — قطرۂ خونِ مواشی - جو ہُوا قربانِ عید
پلّے تُورِ چرخ کے ہمپایہ - رانِ گوسپند — ناقۂ صالح خلیل اللہ کا - حلوانِ عید
شوق سے باہم گلے مل لو کہ ہے وقتِ خوشی — بیس دن پر عشرۂ ماتم بھی ہے پایانِ عید!
زالِ دُنیا کا بھی چہرہ ارغوانی بن گیا — واہ رے "تاثیرِ اضحیٰ" - حبّذا ای شانِ عید
نُورِ باطن کے لئے - روشن دلوں کے واسطے — قرصِ خورشیدِ فلک سے کم نہیں ہے نانِ عید
اس طرح قرباں ہوں حکمِ خدا پر باخدا — جس طرح قربانیاں ہیں فدیۂ قربانِ عید

اس غزل سے کیا عجب طالبؔ کہ گھر گھر ہو خوشی
واقعی اس نظم کا ہر بیت ہے شایانِ عید

وَلہٗ

اتراتی ہوئی بادِ بہارِ سحرِ عید — ہے جلوہ فگن نقش و نگارِ سحرِ عید
قربانیوں میں ملنے پہ قربان ہے ایسا — گردوں بھی ہے پھر پھر کے نثارِ سحرِ عید
آئینۂ طاعت پہ جلا کیوں نہ عیاں ہو — سیماب کا کُشتہ ہے غبارِ سحرِ عید
اے ساقیٔ مہوش مجھے دارو کہ طرب ہے — ہے مرگِ مفاجات خمارِ سحرِ عید
انفاسِ مسیحا سے بھی ہے تاب زیادہ — اللہ رے تاثیر و وقارِ سحرِ عید!

نکلی ہے لئے مصحفِ خورشید حرم میں　　ہے آئینہ داروں میں شمارِ سحرِ عید
آنکھوں سے لگا لیتے ہیں حجاجِ زمانہ　　سُرمے سے نہیں کم ہے غبارِ سحرِ عید
معمور ہے انوارِ تجلّا سے اک عالم　　ہے جلوہ طُور آج دوچارِ سحرِ عید
اس یُمن و سعادت کی خوشی ہوتی دوبالا　　دو دن کو بھی ہوتا جو قرارِ سحرِ عید

اللہ سے ہر وقت دُعا ہے یہی طالب
مخزن کو مُبارک ہو بہارِ سحرِ عید

طالب بنارسی از بمبئی

ترجمہ اینک آرڈن

جو دن اینک بتا گیا تھا　　آخر وعدے کا وہ دن آیا
اینی خوش ہو کے مانگ لائی　　جھٹ پٹ لک ڈوبیں سیکی
لیکن کیا جانے کیا ہوا پھیر　　شاید تھا دوربین کا پھیر
یا اپنی نگاہ کی برابر　　ٹھیک اس کو نہ رکھ سکی وہ مضطر
یا آنکھوں میں دھند چھا گئی تھی　　لغزش ہاتھوں میں آ گئی تھی
تھا پیشِ نظر جہاز جبتک　　کرتا رہا گو اشارے اینک
پر اسکی مراد بر نہ آئی　　صورت اسکی نظر نہ آئی

. . . .

جبتک کہ جہاز سامنے تھا　　پھیرا اینی نے منہ نہ اصلا
حتی کہ ہوئی نظر سے اوجھل　　وہ لیلی آرزو کی محمل

آخر مایوس ہو کے پلٹی　　اپنی قسمت کو رو کے پلٹی

. . . .

ہر چند اُسے بہت الم تھا　　شوہر کا فراق اک ستم تھا
گو سہتی تھی اُداس ہر دم　　تھا حکم کا اُس کے پاس ہر دم
قسمت میں جو دکھ تھا بھرتی تھی وہ　　جو اُس نے کہا تھا کرتی تھی وہ
تاہم نہ چلی دُکانداری　　اُسکو نہ پھلی دُکانداری
اس کام سے آشنا نہ تھی وُہ　　آخر زنِ روستا نہ تھی وُہ
وہ بنیوں کی چال سے تھی عاری　　آتی تھی کب اس میں ہوشیاری
آتے تھے نہ بھاؤ تاؤ کے طور　　جو کہتی کچھ اور لیتی کچھ اور
مجبور جو کرتی تھی ضرورت　　رکھتی تھی نہ کچھ خیالِ قیمت

لاگت سے بھی کم پہ مال دیتی
نقصان پہ ہو رہا تھا نقصان
کھٹکا یہی ہر گھڑی لگا تھا
ہر چند نوید وصل دلدار
موہوم اُمید تھی پہ جس پہ
سود اور زیاں سے کچھ نہ تھا کام

. . . .

اب آگے ہے اس طرح سے لکھا
ہر طرح کیا علاج اُس کا
ہر چند کہ چارہ سازماں تھی
ہر سانس پہ اُسکی دیتی تھی دم
اُلا گاہک جب آتا کوئی
لیکن تقدیر اسی طرح تھی
آخر مرغ قفس کی صورت
ننھی معصوم روح اُس کی

. . . .

گذرا تھا نہ ایک ہفتہ یکسر
عشق صادق نے گل کھلایا
ہر چند گیا تھا جب سے اینک
لیکن اس کا دل وفا کیش
کرنے لگا عرصۂ نفس تنگ

ادنے پونے تھی ٹال دیتی
چلتی نظر آتی تھی نہ دکان
اینک آیا تو کیا کہے گا
پہنچی کبھی کان تک نہ ہاں
جیتی تھی وہ غم کی ماری مضطر
پیاروں کا ڈھونڈھتی تھی آرام

. . . .

چھوٹا بیٹا مریض جو تھا
سنبھلا نہ مگر مزاج اُس کا
حد بھر کوئی بات اُٹھا نہ رکھی
ہٹتی تھی نہ پاس سے کسی دم
یا حاجت ہوتی ڈاکٹر کی
ضائع ہوئی یہ دوڑ دھوپ ساری
جسم خاکی سے ہو کے رخصت
گلزار بہشت کو سدھاری

. . . .

تازہ تھا دل پہ داغ دلبر
اپنی کا قلب کو دھیان آیا
دیکھا تھا اُدھر نہ مڑ کے اب تک
رہتا تھا جو اسکی یاد میں لسِت
غفلت پہ ہوا ملامت آہنگ

سوچا کہ چلو ذرا خبر لیں
آیا داخل ہوا مکاں میں
پھرتا در اندرونی آکر
پایا نہ جواب کچھ تو آخر
لیکن آئینی بیت کی ماری
لخت دل خاک میں چھپا کر
کیا خوش ہوتی کہ کون آیا
رونے لگی ہو کے رخ بدلوا
یہ دیکھ کے کی قلب نے منت
آیا ہوں میں اس لیے کہ آئی

. . . .

کرنے کو تو کی یہ اُس نے تقریر
کیا تم پہ کرے گی مہربانی
کچھ شرمندہ سا ہو گیا وہ
تھی گرچہ جز خجالت آہنگ
ناخواستہ آ کے پاس بیٹھا
گویا ہوا اس طرح کہ اپنی
تم سے وہی التجا ہے میری
موقوف نہیں کچھ آج ہی پر
ہم دونوں میں بہترین تھا جو
جس بات پر اُس نے دل لگایا

ڈھارس اس بیقرار کو دیں
ٹھہرا کچھ دیر سائباں میں
دستک دی در کو کھٹکھٹا کر
کھولا دروازہ آیا اندر
کھائے ہوئے زخم کاری
بیٹھی تھی جہاں سے منہ پھیر کر
دیکھا جو قلب کو دل بھر آیا
تر ہو گئے آنسوؤں سے رخسار
کہنے لگا از رہ سماجت
مجھ پر کرو ایک مہربانی"

. . . .

پر جب کہنے لگی وہ دلگیر
ہو آپ سے ننگ زندگانی"
لیکن مجبور دل سے تھا وہ
شرم اور اُلفت میں ہو گئی جنگ ۵۱
ناخواندہ کیا در سخن وا
دو باتیں ہیں صرف مجھ کو کرنی
اینک کی جو عین آرزو تھی
تم سے میں نے کہا ہے اکثر
تم نے کیا انتخاب اُس کو
ہاتھ اُٹھا دیں مدد کو آیا

۵۱ لفظی ترجمہ یہ ہے ۔ شرم اور گرم میں ہو گئی جنگ ۔ مگر چونکہ گو یہ کہ گرم

چاہا کرنا جہاں کوئی کام
پہنچا دیا اُسکو تا بہ انجام

اب کیا تھا چھوڑکے جو گھر بار
پردیس کی لی ہر راہ دشوار

منظور نہ تھا کچھ اسکو حاشا
دُنیا کا دیکھنا تماشا

زحمت یہ جو اس نے کی گوارا
منشا اُسکا یہی تھا سارا

بچوں میں کوئی کسر نہ رہ جائے
عُمدہ تعلیم اُن کو دلوائے

ماں باپ ہیں حسن شرف سے محروم
اُس سے نہ ہوں نابلد یہ معصُوم

لیکن واپس جب آئیگا وُہ
اس حال میں انکو پائیگا وہ

ایسی آوارگی کی حالت
یہ خودسری اور یہ شرارت

دیکھیگا رائیگاں جب اُنکی
یہ صبحِ اُمید عہدِ طفلی

دل میں کیا اپنے وُہ کہیگا
کیا کچھ نہ ملال وہ سہیگا

از بسکہ ہے میرا دوست اینک
لایا مجھے یہ خیال یا نتک

انکار ہے کیا تمہیں کچھ اس سے
کیا ہم نہیں دوست بچپنے کے

پس میری یہ التجا ہے تم سے
بچوں کو کرو مرے حوالے

اسکول میں انکو بھیجدونگا
ممنون بہت تمہارا ہونگا

ہو تم کو اگر خیال کچھ اور
ہے اس کے لئے بھی اک جدا طور

تعلیم میں انکی خرچ جو ہو
قرضِ حسنہ تم اسکو سمجھو

اینک واپس جب آئے گھر کو
جو کچھ ہو حساب کر کے دیدو

غزل

یاد آتے ہیں

وُہ دستِ وحشت و چاکِ گریباں یاد آتے ہیں
جنُونِ فتنہ ساماں کے وہ ساماں یاد آتے ہیں

کہاں وُہ ہمتیں اگلی سی سودائے محبت کی
وہ پائے دشت پیما وہ بیاباں یاد آتے ہیں

ہجومِ یاس نے کیسی بھری محفل اُجاڑی ہے
ہمیں وُہ حسرتیں وُہ اپنے ارماں یاد آتے ہیں

کبھی ایک ایک نگاہ میں تیری سو سو جاں نوازی تھی
ترے انداز وُہ اے لُطفِ جاناں یاد آتے ہیں

کبھی الطافِ پنہاں کا سماں آنکھوں میں پھرتا ہے
کبھی تیرے ستم ہائے نمایاں یاد آتے ہیں

وُہ فقرے وہ نگاہیں وُہ ادا وُہ عشوہ پیہم
وہ تیر و نشتر و شمشیر و پیکاں یاد آتے ہیں

جفائیں آپ کی ہم کو بھلا دیں طُولِ فرقت نے
اگر کچھ یاد آتے ہیں تو احساں یاد آتے ہیں

محبت اُٹھ گئی کچھ رنگِ ہستی ہی نرالا ہے
وُہ اگلی صحبتیں وہ اگلے انساں یاد آتے ہیں

وُہ شغلِ عاشقی نیرنگ کچھ ہو پھر بھی اچھا تھا
ہمیں اب وُہ تمنائیں وہ حرماں یاد آتے ہیں

(نیرنگ)

آئندہ ماہ کے مخزن کے ساتھ حضرت محسن کاکوروی مرحوم و مولانا سید امجد علی اشہری کی تصاویر شائع ہونگی۔

دیوان یادگار داغ

مذکور داغ ہی کا ہر اک انجمن میں ہے
اس پھول کی بہار ہزاروں چمن میں ہے

فن سخن کے مشتاقو! شاعری کے قدردانو!! داغ کے بعد داغ کے آخری دیوان کا انتظار کرنے والو!!! وہ مجموعۂ کلام چھپ گیا جس کا نام یادگارِ داغ خود مصنفؒ مرحوم نے رکھا تھا۔ اس دیوان میں ڈیڑھ سو غزلیں مکمل اور تین سو نامکمل غزلوں کے برابر اشعار ہیں جس میں اکثر وہ مفردات اشعار و قصائد و قطعات ہیں۔ جو اس سے پہلے کہیں نہ دیکھے ہونگے۔ اور جن کی دل کشی اور جدّت اُن کے مشہور و طبع شدہ کلام سے جدا ہے۔ اس دیوان کے اول ایک مفید او قابل دید مقدمہ ایشیائی اور نیچرل شاعری کی بحث میں لکھا گیا ہے۔

قیمت ——— فی جلد عہ ۸ علاوہ محصول

فی الحال بہت کم جلدیں چھپوائی ہیں۔ جلد منگائیے۔

المشتہر

حسن مارہروی ایڈیٹر فصیح الملک مزنگ لاہور

فریڈرک سٹیرنس اینڈ کمپنی (دواسازان ڈیٹرائٹ ملک امریکہ) کی مشہور عالم ادویہ

اسٹرنس وائن آف کاڈ لور آئل

مچھلی کے تیل کا نہایت نفیس جوہر مرکب فولاد و پاکیزہ - بلا بو - اور بلا لثلث مرکب - کھانسی اور کمزوری کا بہتر علاج - عہ ۱۲ و عا ۱۲ -

اسٹرنس ہیڈ ایک کیور

ہر قسم کے درد سر کو اسی وقت ماہر - زود اثر اور یقینی فائدہ رساں دوا - نقلی سے خبردار - صرف اسٹرنس کی اصلی بکس ۱۲ - قرص ۱۲ ار

اسٹرنس ٹیبلائیڈس

کیسی ہی پرانی قبض کی بیماری ہو - اس کے استعمال سے دور ہو جاتی ہے - بہترین ادویہ میں کامیاب ہوئی - ۵۰ گولیوں کی شیشی قیمت عا

اسٹرنس کولا

مقوی دماغ و اعصاب دافع سستی و کاہلی - ولایتی صرف تازہ اور بغیر خشک کی ہوئی گریسی تیار کیا جاتا ہے - خوشبودار اور خوشگوار - ۵۰ خوراک ۳ عے

اسٹرنس منز اینس

غذا ہضم کرنے کے لیے بہترین دوا نہایت سستی - زود اثر - کامل طور سے آلات ہضم کو درست کرتی ہے - فی شیشی عا

اسٹرنس کف کیور

کھانسی کو چند گھنٹوں میں آرام کرتا ہے - افیون اور مضر اجزا سے پاک ہے - خریدنے کے وقت ملاحظہ ہو جائے کہ اسٹرنس کی مہر ہے - فی بوتل ۱۲ ار

رسالہ رفیق مریضان جس میں نسخہ ہائے دیگر ادویہ تیار کردہ کارخانہ فریڈرک سٹیرنس اینڈ کمپنی ڈیٹرائٹ ملک امریکہ کے مشرح حالات ہیں سٹیرنس ایڈورٹائزنگ ڈپو کشمیری دروازہ دہلی سے مفت اور بلا محصول طلب کرو -

ہر شہر کے تمام انگریزی اشیاء کے دوکاندار فروخت کرتے ہیں

کارخانہ کی سالگرہ کی خوشی میں صرف آخر مارچ تک عظیم الشان رعایت

ناظرین اس بے نظیر موقعہ کو ہاتھ سے نجانے دیں کیونکہ اس کے بعد دوگنی قیمت لیجاوے گی
ہندوستان بھر میں سب سے مضبوط پائدار خوبصورت اور سستی گھڑیاں (۱) ریلوے گارڈ واچ
اس کے نام کی گھڑی ریل جیسے نازک محکمہ میں استعمال ہوتی ہے اس کی خوبیوں کا زمانہ
واقف ہے گارنٹی آٹھ سال قیمت چھ روپیہ (۲) ماسٹر واچ امریکن ساخت جس طرح
مدرس ہوشیار طلبا کو کل جماعت کا مانیٹر یعنی خلیفہ مقرر کرتے ہیں اسی طرح یہ گھڑی اپنی خوبیوں
کیوجہ سے تمام گھڑیوں پر مانیٹر ہے گارنٹی پانچ سال قیمت فقط روپیہ (۳) راسکوپ سسٹم گھڑی
پیٹنٹ جوبلی ویرا پاور مضبوط جس کا زمانہ مداح ہے گھوڑے کی سواری اور کھیل کود میں
خراب نہیں ہوتی گارنٹی تین سال قیمت الیضاً فینسی ڈائل قیمت (۴) راسکوپ
چھوٹی والی نہایت عمدہ مضبوط ویرا پاور پائدار قیمت روپے الیضاً فینسی ڈائل
قیمت روپیہ (۵) اسٹاپ واچ یہ گھڑی ملازمان نہر و فوج و ڈاکٹری کے لیے عجیب
نعمت ہے اس میں ایک اسٹاپ ایکشن لگا ہوا ہے
گارنٹی چار سال (۶) نفیس کی ٹائم کی گھڑی گارنٹی ساخت
(۷) نفیس چار چابی والی خالص چاندی کی گھڑی گارنٹی
قیمت (۸) رسٹ واچ کلائی پر باندھنے کی گھڑی
گارنٹی تین سال قیمت دو سنہری چوڑیدار رسٹ واچ
زنانہ زیور گھڑی کی گھڑی قیمت (۱۰) ٹائم

مخزن لاہور

اگر آپ اس شکل کی تصویر بحوالہ رسالہ
اپنی درخواست میں بنا کر بھیجیں تو ایک گھڑی کی
خریداری میں محصول ڈاک معاف تین گھڑی کی خریداری پر
ایک ریشمی رومال مفت اور محصول ڈاک معاف اکٹھے چھ
گھڑی خریدار کو ایک گھڑی مفت نذر ہوگی

پیس اسکی مرمت میں بار بار تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی قیمت درجہ اول درجہ دوم (۱۱) الارم
ٹائم پیس سچا وقت دیتا ہے اور سوتوں کو جگاتا ہے درجہ اول درجہ دوم (۱۲) اگر ایک دفعہ قیمت خرچ کر کے وقت بھی
لینا چاہتے ہیں اور راگ بھی سننا چاہتے ہیں تو عجیب باجہ ٹائم پیس طلب کریں قیمت (۱۳) نیا جاپانی ایجاد کی قیمت

المشتہر

چمن داس آہوجہ چونی منڈی لاہور

عرق ماء اللحم انگوری

اور

درازی عمر

یہ بات تجربہ سے معلوم ہوا کہ دو بزرگ ہم عمر عہدہ دار جو اتفاق حسنہ سے ایک ہی ضلع میں مقرر تھے ایک ہی مرض میں مبتلا تھے ضعف دماغ اور تاریکی چشم۔ سر کا گھومنا۔ چکرانا۔ تھوڑے سے کام پر دل گھبرانا۔ جس قدر دو چار گھنٹہ بیٹھ کر کام کرنا پڑے۔ سر درد ہو جانا۔ بھوک کا بند ہو جانا۔ ہاتھ پاؤں کا ٹوٹنے لگنا اور کبھی گھر میں تخلیہ کا موقع ملے تو صبح کو کوفت اعضاء تھکی معلوم ہونا۔ چارپائی سے اٹھنے کو دل نہ چاہنا۔ ایک صاحب نے عرق ماء اللحم کا استعمال شروع کیا اور دوسرے صاحب اور مختلف معالجہ ڈاکٹروں حکیموں کا کرتے رہے چند دنوں پر عرق پینے والے کا رنگ سرخ ہو گیا اور زردی چہرہ دور ہو کر گال جو پچکے ہوئے تھے پر ہو کر رنگ چمکنے لگا تو دوسرے مختلف ادویہ کے کھانے والے کے دوست نے بڑے تعجب سے پوچھا۔ یار کیا بات ہے تم تو چار بجے کے بعد چھ سات بجے تک کچہری میں کام کرتے رہتے ہو۔ صبح دم دیکھو سویرے ہی اٹھ کر پھر ہوا خوری کے لئے تیار۔ یہ ماجرا کیا ہے۔ انہوں نے کہا بات یہ ہے کہ میں عرق ماء اللحم انگوری دو آتشہ ساختہ حکیم غلام نبی لاہوری پیا کرتا ہوں چنانچہ وہ سن کر نہ رہ سکے جھٹ تار دیا۔ عرق بھیج دو۔

اب مسٹر ڈپٹی کلکٹر کا سارٹیفکیٹ ملاحظہ کیجئے جس نے سول سرجنوں اور معزز دوسرے حکماء کا علاج کیا اور ناکامیاب رہا۔ دیکھئے وہ کیا کہتا ہے۔ آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیج دیجئے۔ سارٹیفکیٹ صحت یافتہ اصحاب کے بھیج دونگا۔ قیمت فی تولہ ۶؍ تین تولہ ۱۲؍ چھ تولہ ... فی جگہ عنقریب بذریعہ ریل منگانے میں محصول کی کفایت ہوگی۔ ریلوے سٹیشن بمعہ لائن صاف لکھیں اور بذریعہ ڈاک منگوانے میں علاوہ محصول ڈاک پیکنگ آنا ضرور دینی ہے۔

پتہ۔ حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکماء لاہور موچی دروازہ (اعوان منزل)

پانچ ہزار روپیہ انعام

میرے کا سرمہ

پانچ ہزار روپیہ انعام

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل اگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں والیان ریاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ یورپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے۔ کہ یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے ضعف بصارت۔ تاریکی چشم۔ دھند۔ جالا۔ پڑبال۔ غبار۔ سبل۔ سرخی۔ پھولا۔ ابتدائی موتیا بند۔ پانی بہنا۔ خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھ کے مریضوں پر اب اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں۔ چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کے استعمال کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔ بچے سے بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکساں مفید ہے۔ قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ عام و خاص اس سرمہ کا فائدہ اٹھا سکیں۔ قیمت فی تولہ جو سال بھر کے لئے کافی ہے مبلغ ۶ میرے کا سرمہ سفید اعلیٰ قسم فی تولہ مبلغ تین روپیہ (للعہ) خالص میرہ فی ماشہ عہ میرے کا سرمہ فی تولہ ۸ خرچ ڈاک بذمہ خریدار المشتہر پروفیسر میا سنگھ اہلو والیہ مقام [illegible]

ان کو پڑھ کر اور کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے

(۱) میں نے میرے کا سرمہ جو سردار میا سنگھ اہلو والیہ نے تیار کیا ہے بہت مریضوں پر کہ جن کی آنکھیں بہت کمزور اور بیمار تھیں استعمال کر کے دیکھا مفید پایا۔ میری رائے میں خاصکر ان مریضوں کے واسطے کہ جن کی آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہو۔ اور دھندلاہٹ غبار۔ کمزوری نظر ہو یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے۔

راقم

ڈاکٹر [illegible] اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور و آنریری سرجن [illegible] ہند۔

(۲) میں اس امر کی بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے میرے کا سرمہ جو کہ سردار میا سنگھ اہلو والیہ نے تیار کیا ہے۔ اپنے زیر علاج کی ایک قسم کے مریضوں پر استعمال کیا۔ میری رائے میں بینائی قائم رکھنے اور آنکھوں کی بیماریوں سے بچنے کے لئے میرے کے سرمہ کا استعمال بہت مفید ہے

راقم

خان بہادر ڈاکٹر [illegible] شاہ ایل ایم ایس اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور۔

پانچ ہزار روپیہ انعام اگر کوئی شخص میرے کی سرمہ [illegible] ثابت کر دے تو اسکو پانچ ہزار روپیہ بطور انعام دیا جاویگا جو [illegible] پنجاب بنک میں [illegible] سے جمع کیا گیا ہے۔

۱۸۶۹ء سے ۱۹۰۶ء تک

یعنی

سینتیس سال سے زیادہ عرصے تک تمام حاذق حکیموں کے امتحان میں

سکاٹس ایملشن

پورا اُترا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسوقت پھیپھڑوں کے متعلق تمام شکایات

کھانسی۔ زکام۔ قلتِ خون اور کمی اشتہا کے لئے دُنیا بھر میں

استعمال ہوتا ہے۔

بچے سے لیکر بوڑھے تک کے لئے مُقوّی

اعصاب ثابت ہوا ہے۔

(بالکل اچھوتا)

تمام انگریزی دوا فروش

بیچتے ہیں

سکوٹ برون مینوفیکچرنگ کیمسٹ

لنڈن

کیا آپ ایک بیش بہا ریسٹ واچ مفت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آپ مندرجہ ذیل فہرست کتب میں سے دو روپے آٹھ آنے کی کتابیں پسند کر کے طلب فرمائیے آپ کو ایک گھڑی فینسی ریسٹ واچ جسکی مضبوطی کی بابت ہزاروں سرٹیفکیٹ موجود ہیں جسکی قیمت دو روپیہ بارہ آنے ہے آپ بلا قیمت کتابوں کی پارسل کے ہمراہ روانہ کی جاوے گی۔

یہ کتابیں آجکل کی چھپی ہوئی نہیں ہیں جنکی قیمت پہلے ہی اسی غرض سے چوگنی رکھدی جاتی ہے کہ آخر میں جس قیمت کو بھی فروخت کیجاوے گی منافع ملیگا۔ بلکہ قریب دس برس قبل کی چھپی ہوئی ہیں لہذا اس نادر موقعہ کو غنیمت جانکر جلد فرمائش لکھیے ورنہ آخر اپریل [illegible] کے بعد انعامی گھڑی پھر نہیں ملیگی۔ محصول ڈاک وغیرہ ذمہ خریدار ہے۔

فرمائش لکھتے وقت رسالہ مخزن کا حوالہ	**نایاب اور قابل دید کتابیں**	ضرور دیجئے گا ورنہ پوری قیمت لیجاوے گی۔

ترچھی نظر حصہ اول و دوم۔ ترچھی نظروں سے دیکھو عاشق دلگیر کو۔ کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو۔ اُف اُف نہ پوچھیے کہ اس کتاب میں کیا ہے غضب ڈھانے کی بیکسی۔ دکھے ہوئے دلوں کی چھیڑ چھاڑ ناز و ادا کے چھینٹے کرشمے سلام و پیام کے انوکھے چٹکلے بہار مضامین دلچسپی فیشن پردہ اور کمال تعلیم نسواں کی خوبیوں کی [illegible] ہر ہر فقرہ میں [illegible] ہر ہر بات میں مزا۔ ذرا شروع تو کیجیے پھر کیا ممکن جو بے ختم کیے ہوئے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ چوٹ کھائے ہوئے [illegible] اسکو۔ قیمت ہر دو حصہ دو روپیہ آٹھ آنے۔

[illegible]۔ ایک تاریخی ناول ہے جسکا پلاٹ [illegible] خلیفہ عبد الرحمن دوم کے وقت کی کچھ حالت دکھائی گئی ہے حسن و عشق و ناز و نیاز کے کرشمے عیسائیوں اور اہل اسلام کے ایسے ایسے معرکے دکھائے ہیں کہ [illegible] کا نقشہ سامنے نظر آتا ہے۔ قیمت مجلد [illegible] ایک روپیہ۔

اقبال قیصری۔ کیا آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اہل یورپ کا خیال ہندوستان کی سیر کا کیوں پیدا ہوا اور تلاش ہندوستان میں کیسے روانہ ہوئے اور ہندوستان میں تجارت کس طرح جاری کی اور اقبال نے ہندوستان کا کیونکر مالک بنایا اور کس کس جنگ کا کیا نتیجہ ہوا اگر ایسا ہو تو آپ اس کتاب کو ضرور دیکھیں۔ قیمت مجلد چار آنے۔

تاریخ بابل و نینوا۔ بابل و نینوا کے تعجب خیز حالات اور انکی تباہی بربادی [illegible] واقعات [illegible]۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے۔

تاریخ ریاست ہائے [illegible]۔ آپ اس کتاب کو ضرور دیکھیں اس میں ہندوستان کی ریاستوں کے فرمانرواؤں کی تصویریں دیکر انکی ریاست کی انتظامی حالت اور [illegible] کے خلاصہ حال لکھا ہے یہ کتاب خاص [illegible] اور انتظام اور کوشش سے تیار ہوئی ہے قیمت مجلد ایک روپیہ [illegible]

جنگ یونان و ترکی اس کتاب میں اس جنگ کا ذکر ہے جو یونان اور ترکی سے کریٹ کے بارے میں ہوئی تھی۔ [illegible] انگلینڈ نے اس جنگ کے ہر ہر موقع کو دیکھا اور مکمل کتاب لکھی تھی یہ اسی چشم دید واقعے کا ترجمہ ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔

سوانح عمری بابر شاہ۔ بابر شاہ وہ نامور اور بہادر بادشاہ ہے جسنے خاندان مغلیہ کی بنیاد ہندوستان میں ڈالی تھی اکبر شاہ کا ہونہار [illegible] ہمایوں اسی بہادر باپ کا بیٹا تھا یہ بابر شاہ کی سوانح عمری اسی کتاب کا ترجمہ کیگئی ہے جسکو بابر نے اپنے قلم سے لکھا تھا قیمت پانچ آنے۔

نصائح بخشی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے کم عقل عقلمند۔ غریب۔ امیر۔ ناتجربہ کار۔ [illegible] زمانہ شناس۔ کم علم ذی علم ہو سکتے ہیں یہ قابل قدر کتاب ایڈیٹر خورشید عالم نے بڑی محنت سے لکھی ہے کچھ شک نہیں یہ کتاب [illegible] رنگ کی قابل قدر [illegible] کتاب ہے [illegible] ہمیشہ کام آئے گی قیمت صرف آٹھ آنے۔

جنگ [illegible] نسواں نہایت نتیجہ خیز ناول ہے [illegible] قیمت ایک روپیہ

اگر فی الحال آپ کسی مصرف کا ایسا نسخہ نہیں کھا سکتے تو ایک آزمائی ہوئی تجربہ کار کا بنایا ہوا مرکب یعنی ڈاکٹر جرمن کا ہاڈرویجن الکسیر
ایک ہی مرتبہ کا تجربہ سیکڑوں کو دیتا ہے۔ کچھ پرواہ کی بات نہیں خواہ مرض کیسا ہی شدید ہو۔ جونہی اس اعجاز نما دوا
کو ایک دفعہ لگایا اور اپنے … اور کھلایا وزن گھٹنا شروع ہوا قیمت فی بوتل عہ علاوہ محصولڈاک

کمزور مضبوط ہو سکتے ہیں

یہ فقرہ خاص کر ان لوگوں کو مخاطب کر کے لکھا جاتا ہے۔ جو کمزوری کا ہر طرح سے علاج کر چکے
ہیں۔ یا جنہوں نے کوشش کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اگر ناظرین میں سے کسی نے اپنے تئیں مایوس العلاج تصور کر لیا ہے
تو سخت غلطی کی ہے اور اس سے بھی زیادہ غلطی ہوگی کہ باوجود گذشتہ کوششوں کے ناکامیاب ہو کر اب کسی
نئی ادویہ مشتہرہ کی طرف متوجہ ہوں۔ انکا نتیجہ دیکھ چکے آزما چکے آزمودہ را آزمودن جہل است۔ ڈاکٹر
میجو کی وٹیلین کے استعمال سے زائل شدہ طاقت بحال ہوتی ہے اس میں ادویہ مناسب خوب
سے شامل کی گئی ہیں۔ ہمارے تجربہ میں کسی قسم کی بھی کمزوری ہو اس سے دور ہو جاتی
ہے۔ رسالہ تحفہ میجو کو پڑھو تم خود قائل ہو جاؤ گے۔

قیمت فی بوتل عہ علاوہ محصولڈاک

تمام دنیا میں جس قدر ادویہ صاف خون کے واسطے فروخت ہوتی ہیں ان سب سے ڈاکٹر میجو صاحب کا
سارسپریلا کی کری بہت زیادہ ہے۔ ہمارے سارساپریلا میں ایک نئی ترکیب سے بجلی کی حرارت آمیز کی گئی ہے تمام قسم کے …
زخم … جو بعد بد غذا ہو جاتی ہے آتشک … سیاہ داغ … پھوڑے پھنسیاں پرانی گنٹھیا بالکل … ہو جاتے
ہیں … قیمت … فی بوتل۔

یہ دونوں ادویہ صرف کارخانہ مسٹر ڈبلیو میجو لمیٹڈ کلکتہ میں تیار ہوتی ہیں۔
ہندوستان اور خوردہ فروش ایجنٹ … اینڈ کو … سے طلب کرو۔

مجرب

مصدقہ جناب مسٹر جے سی سلکا صاحب بہادر سابق ڈپٹی کمشنر لودیانہ حال کمشنر راولپنڈی

تریاق طاعون

میں نے عرصہ دراز کی جانفشانی کے بعد تریاق طاعون ایجاد کیا ہے جو تجربہ سے نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ بطور حفظ ماتقدم اگر استعمال کیا جاوے تو مرض طاعون کے حملہ سے انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔ اگر مبتلائے مرض اس کا استعمال کرے تو فوراً بخار فرو ہو جاتا ہے۔ گلٹیاں گم ہو جاتی ہیں۔ دل میں طاقت طبیعت میں بشاشت ہو۔ اس دوائی کے استعمال سے نہ قے آتی ہے۔ نہ اسہال ہوتے ہیں۔ پسینہ جو مرض طاعون کے لئے بڑی نیک نشانی ہے۔ آجاتا ہے اور مریض بفضل خدا صحت یاب ہو جاتا ہے۔ ہر ایک گھر میں چند شیشیاں تریاق طاعون کی موجود رہنی چاہئیں۔ لیکن تجربہ اس امر کی کافی شہادت ہے کہ تریاق طاعون تحصیل قصور ضلع لاہور میں شروع مرض میں ۹۸ آدمیوں نے استعمال کیا۔ جن میں سے ۹۰ صحت یاب ہوئے اور صرف آٹھ آدمی فوت ہوئے۔

قیمت فی شیشی (عہ) — چھ شیشی (صہ) — بارہ شیشی (للعہ) — محصول ڈاک بذمہ خریدار۔

نقل چٹھی نمبری ۴۵ از جانب جناب مسٹر جے سی سلکا صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر لودیانہ (حال کمشنر راولپنڈی) مورخہ ۱۱۔ اپریل ۱۹۰۴ء جناب من بجواب آپ کی چٹھی مورخہ ۳۱۔ ماہ گذشتہ دربارہ تریاق طاعون میں آپکو اطلاع دیتا ہوں کہ جن میونسپل کمشنران کو دوائی بھیجی گئی تھی انہوں نے اسکی نسبت عمدہ رپورٹ کی ہے اور چونکہ ان کے بیان کے مطابق شہر لودیانہ میں اسکی مانگ بہت ہے اسلئے بہت اچھا ہوگا کہ آپ انہیں ممبروں کے پاس مفت تقسیم کرنے یا فروخت کرنے کے لئے کچھ اور دوائی بھیجدیں۔

دستخط صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

المشتہر: حکیم محمد شریف آئی ڈاکٹر مہتمم شفاخانہ عام۔ لاہور

یہ کارخانہ
۱۸۶۵ء سے
قائم ہے

تہائی قیمت

اگر کچھ بھی فائدہ نہ ہو تو بقیہ دوائی
بھیجکر قیمت واپس لے لو۔

ہزاروں سندات موجود ہیں

ہمارا کارخانہ بفضل خدا قریباً نصف صدی سے
بنی نوع انسان کی طبی خدمات کر رہا ہے۔ چنانچہ حسن
خدمات امراضِ وبائیہ کے صلہ میں گورنمنٹ عالیہ
نے ۱۸۷۵ء میں اس کارخانہ کے بانی مبانی شیخ
خیرالدین آنریری مجسٹریٹ و میونسپل کمشنر کو ایک طلائی
گھڑی عطا کی تھی۔ کارخانہ ہذا کی مشہورِ عالم ادویات
اپنی خوبی کی وجہ سے کسی تعریف و سفارش کی محتاج
نہیں ہیں۔ لیکن تاکہ خلق خدا بڑے وسیع پیمانہ پر ان مجرب اور
بیخطا ادویات سے مستفید ہو اور ہماری ادویات اپنی خوبی کی
طرح اپنی کثیر فروخت میں بھی ملک بھر میں لاثانی ثابت ہوں یہ اعلان
کرتے ہیں کہ ہم کچھ عرصہ کے لئے اپنی شہرہ آفاق ادویات تہائی
قیمت پر فروخت کرینگے۔ اگر کچھ بھی فائدہ نہ ہو تو بقیہ دوائی بھیجکر
قیمت واپس لے لو۔ بتائیے اس سے بہتر ثبوت ہماری ادویات
کے عمدہ اور بیحد مفید ہونیکا کیا ہو سکتا ہے۔ ادویات کی قیمت
اصل درج ہے۔ تہائی قیمت پر روانہ

ملنے کا پتہ
شیخ خیرالدین رحیم بخش دواساز مالک شفاخانہ یونانی و ڈاکٹری لاہور